

ہم پیار سکھانے والے ہیں

PDFBOOKSFREE.PK

سعد عزیز آفریدی

وہ ابھی کچھ سوئے جاگنے کی کیفیت میں تھا کہ ابا نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔
 ”عجیل احمد! انھو! کیا آج اسکول جانے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔“ عجیل احمد نے چادر سے منہ نکال کر ابا کو دیکھا اور پھر براہ راست بنا کر دامن میں طرفہ دیکھا۔ طارق اور شارق قریب قریب گدے پر لیٹے تھے لحاف بوڑھ کر اور وہ صرف کچھ سر تک لیے فرش پر دری بچھائے لیٹا تھا یہ نہیں تھا کہ وہ احمد طیب کا سوتیلا بیٹا تھا یا راضیہ احمد کا ناخلف بیٹہ جسے سزا کے طور پر سردی میں قحط کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ بس بات اتنی بھی کہ اسے کچھ دکھ رہے رہنے کی عادت تھی اور بقول طارق احمد کے اس کے اندر اتنا غصہ بھرا ہے اسے سردی پھیلتے ہوئے بھی دس مرتبہ سوچ سکتی ہے۔

اب کیا پسرے ہی رہو گے بستر پر دیکھو تو ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ نماز کے لیے بھی اٹھایا تھا مگر تم جیسے نافرمان بچے کو اللہ ہی نیکی کی ہدایت دے۔“

اس نے جمالی لی اور طارق اور شارق کو ایک بار پھر دیکھا دونوں کی دوپہر کی شفٹ میں ہوتی تھیں اور اسے صبح تیار ہونا پڑتا تھا حالانکہ پہلے وہ بھی دوپہر کی شفٹ میں تھا لیکن پھر اچانک اس کا دلغ خراب ہو گیا اور اس نے ابا سے کہہ دیا وہ اس اسکول میں نہیں پڑے گا جہاں طارق اور شارق پڑھتے تھے بلکہ وہ اب اپنے لیے اسکول خود منتخب کرے گا۔ یوں وہ پرائیویٹ اسکول سے نکل کر گورنمنٹ اسکول میں آ گیا۔ 8th کلاس میں تھا مگر قند کاٹھ دسویں کلاس کے بچے کی طرح تھا اور مزاج کسی ناراض نوجوان سے کم نہیں تھا۔ اماں اس کے نخرے دیکھ کر ہمیشہ ہی کہتیں۔

”پتا نہیں ہمارا عجیل کس پر چلا گیا ہے مجھے تو سمجھ ہی نہیں آتا ہے مانو بس یہی چاہتا ہے کہ کوئی روک ٹوک نہ ہو من مانی کرتا رہے پتا نہیں کون سی غلطی کی سزا ہے یہ۔“

وہ سنتا مگر ہنس کر اپنے کام میں لگا رہتا اسے لگتا ارد گرد جو بھی نفل ہو رہی ہے وہ صرف اس کا مورال

”یاد الی بات درست ہے۔“ رضائے بازو پکڑ لیا۔
 ”نہیں لائے گا اسے ہتھیاریوں پر پانچ پانچ اسٹک اور
 کلاس روم سے باہر کھڑا کرنے والے ہیں سرماجد۔“
 اس نے کندھے اچکائے جیسے اس کی بلا سے سرماجد
 کوئی بھی رویہ اختیار کریں اس سے اسے کوئی فرق
 نہیں رہنے والا۔

”آخر تم نے ہوم ورک مکمل کیوں نہیں کیا؟۔“
 اگلا سوال تجسس کے زیر اثر کیا گیا تھا۔ اس نے قسم کر
 رضا کو دیکھا، پھر اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر بولا۔
 ”کوئی خاص بات نہیں تھی بس گھر کے چھوٹے
 موٹے کام کرنے میں وقت نکل گیا پھر میرا کچھ اپنا بھی
 موٹو نہیں تھا میں ہوم ورک کر لیتا تو اس میں کیا خاص
 بات ہوتی۔“

”نہ کرنے میں کیا خاص بات ہے۔“ رضائے
 ترت سوال کیا۔ اس نے ہنس کر کہا۔

”سیدھی سی بات ہے نہ کرنے میں بھی کوئی خاص
 بات نہیں تھی بس سرماجد جس طرح لی ہو کرتے ہیں
 اس سے مجھے ضد ہو جاتی ہے کوئی مجھے کسی کام کو کرنے
 پر اصرار کرتا ہے تو میرا دل غائب کام کو نہ کرنے کی قسم
 کھا لیتا ہے مجھے ہر کام اپنی مرضی سے کرنے کی عادت
 ہے۔“ رضائے اچھے سے دیکھا اس طرح کی بات کی
 اسی سے توقع کی جاسکتی تھی۔

اب اس نے سر جھکا کر چلنا شروع کر دیا تھا اور وہ
 اس کی طرف سے غافل ہو کر راستہ طے کرتا رہا۔
 اسکول سامنے آیا تو وہ یکدم رک گیا۔

”آج اسکول سے پھٹی نہ کر لیں۔“ ایک نیا آئیڈیا
 پیش ہوا اور یہ آئیڈیا عجیب ہی دے سکتا تھا رضائے
 اچھے قدم رک گئے تھے۔

”چوکیدار ہمیں دیکھ چکا ہے۔ اب اگر ہم اسکول
 نہیں جائیں گے تو سیدھی شکایت کر دے گا۔“
 ”سوڈاں میرا ساتھ دے رہے ہو یا نہیں۔“

اس نے بیک ٹائیں کندھے سے بائیں کندھے پر
 منتقل کیا۔

جرحانے کے لیے بے بسی وجہ تھی کہ تکلیف کھاتے ہی لبا
 کے جملوں سے اس کے اندر کوئی پھل نہیں پھیکی اس
 نے چادر اتار کر پھینکی اور واش روم کی راہ لی پھر بند
 منٹ بعد پونے تین گھنٹوں کے سامنے ویز می پر
 بیٹھا لبا نے اس کے لیے تازہ پراختا تو سے اتار اٹھا
 گرمہ عجیل ہی کیا جو مختلف کار کردگی نہ دکھائے سو
 نعمت خانے سے اس نے چھوٹا شاپر نکالا لبا نے غور
 سے دیکھا وہ شاپر میں سے پاپے نکال کر بیٹ میں رکھ
 رہا تھا۔

”چائے دین لبا“ آج پرانے کاموں نہیں سے میرا
 ”لبا نے کپ میں چائے ڈال کر اس کے آگے کی
 وہ چائے میں پاپے ڈبو ڈبو کر کھا رہا تھا جب اس نے سر
 اٹھائے تو یہ کہہ

”نکل جو سبزی منگوائی تھی آپ نے اس میں سے
 پانچ روپے بچے تھے“ لبا نے مجھے دے دیے تھے اس
 مجھے لیے پیپے، آپ پریشان ہو رہی ہوں گی نا۔“
 لبا نے گرا سانس کھینچا۔ ”یہ لڑکا کیا دل کی الجھن بھی
 پڑھ لیتا ہے۔“ انہوں نے سوچا اور اس نے چائے لی
 گر کپ ان کی طرف سرکا کر چلتے چلتے لبا کو دیکھ کر

کہا۔
 ”میرا ہوں مگر اتنا نہیں کڑ چوری کرتا پھوں آپ
 میرے بارے میں زیادہ مت سوچا کریں۔“ اچھے کر
 بیک کاندھے پر ڈالا۔ سنگ میں ہاتھ دھوئے اور گھر
 سے باہر نکل گیا۔ لبا اس کی پشت دیکھتی رہیں۔ گھر کی
 میز پر لبا اترا ہی تھا کہ فلی کے اور بچے جو اس کے
 اسکول میں پڑھتے تھے اس کے ساتھ ہو گئے۔

”سرماجد کا ہوم ورک مکمل کر لیا ہے یا۔“ چلتے
 چلتے اس سے بات کر لینے کی حد تک بے تکلف

”دوست رضائے سوال کیا اور وہ جو سنی پر آوارہ ہوں۔“
 گنگنا رہا تھا رک کر اسے دیکھنے لگا ایسے جیسے اس نے
 رضا کی بات سنی ہی نہ ہو رضائے آنکھوں کا سوال
 پڑھ کر پھر سے سوال دہرایا۔

”سرماجد کا ہوم ورک مکمل کر لیا ہے یا۔“ اس
 نے ہونے سے کہا۔

”او کے مگر حلالہ بگڑا تو تم ہی سنبھالنا۔“

”یہ کوئی شرط نہیں ہے اور سنو دوستی شرطوں پر نہیں ہوتی۔“ اس نے زیر بار ہونے کی بجائے زیر کر دیا۔ رضا کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

”جانتیں کیا بات ہے تیری روڈ فرینڈ شب نے کوئل نہیں کرتا اوکے ہر طرح کے معاملے کا وار میں خود ہوں گلاب بتاؤ کہ اسکول سے ٹرن اس نے سوال کیا اور وہ چلتے چلتے پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ رضا اس طرح اسے زمین پر گھٹنے ٹیکتے کر گھبرا گیا۔

”یار! کیا ہو گیا تمہیں“ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو ایک تھے۔“

”میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے۔“ اس نے اپنی کیفیت میں کہا۔ چونکہ دار جو انہیں دیکھ رہا تھا تیزی سے ان کی طرف آیا۔

”کیا ہو گیا ہے اس لعل کے کو۔“ اس نے رضا سے پوچھا اور وہ منہ نہ لگا بات کالب لباب یہ تھا کہ اس کا تاجنک پیٹ کے درد کی وجہ سے بے حال ہو گیا چونکہ دار نے کچھ سوچا اور گھر جانے کا این او سی کر دیا وہ دونوں تیزی سے اٹھے مگر عجیل احمد نے ہاتھ سے ابھی تک پیٹ پکڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں گھر میں سے اپنے خیال کی تیز گامی کو سراہتے آگے بڑھ گئے۔ اسکول پیچھے رہ گیا تب رضائے کو دیکھ کر کہا۔

”اب ہم کیا کریں گے اتنی دیر تک۔“

”پیش کریں گے تم جو کرنا چاہو کرو تمہیں معلوم ہے ہم چلے لے پھرنا قطعاً“ اچھا نہیں لگتا۔“ ایک رضا چلتے چلتے رکت گیا۔

”کیا دوستی کے قسمیں وعدے ہو رہے تھے اور اب بھلا ہونے کا اعزاز یہ اعزاز بہت بھاری ہے بچو۔“ عجیل نے یوں دیکھا جیسے اسے اس بات پر یقین نہیں پڑنے والا کہ اس کے کسی جملے کا اثر ہو سکتا ہو کرواپس آتا ہے۔ وہ دونوں سانس لے رہے تھے رضا چونکہ گھر نہیں جاسکتا تھا اس

لیے ڈبو کھینچنے چلا گیا۔ کل ہی اس نے ابا سے چھوٹ موٹ کی پانک کا کہہ کر روپے اٹھائے تھے۔ عجیل فارغ تھا اس لیے اس کا رخ شفوی بائی کے گھر کی طرف ہو گیا۔

شفوی بائی ان کے ابا کی خالہ کی بیٹی تھیں گھر میں بیابا گھر آئی تھیں۔ بائی گھر والوں سے الگ ذرا ہٹ کر اسے ٹیٹ کرتی تھیں اس لیے اس کا جب موڈ ہوتا۔ وہ اسکول اور یونیورسٹی سے چھٹی کر کے یہاں چلا آتا۔ شفوی بائی کے شوہر دینی میں ڈرائیور تھے ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو ابھی تین سال کا تھا اس نے دروازے کی زنجیر کھٹکائی۔

”کون ہے؟“ ایک تیز کھر کھراتی آواز گونجی۔ یہ شفوی بائی کی آواز تو نہیں تھی کھٹاک کی آواز سے دروازہ کھلا۔

”کون۔“

”وہ جی میں عجی ہوں۔“ اس نے تمہید پاندھی اور وہ بوڑھی خاتون جون رات اپنی گلی میں کھیل جانے والی کرکٹ سے تنگ تھیں اسے اسی کرکٹ کا کوئی نمائندہ سمجھ کر بول پڑیں۔

”اے میں کے دیتی ہوں گیند وینڈ نہیں دینے کی میں اگر گیند چھت پر بھی آئی ہے تو اس کو تمہیں دینے کی بجائے چھری سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گی۔“

اے واہ نہ دن نہ کھوند رات نہ ہاری دیکھو نہ بیماری بس دروازہ بجاتے جاؤ سارے جو کے سارے چھلے ہمارے دروازوں کی قسمت میں لکھے رہتے ہیں۔“

عجیل احمد صم بکھڑا رہا خیر ہوئی سفیر رزاق عجی بھائی عجی کر رہا ہوا اس سے انگریز لٹ گیا۔

”کون عجی۔“ مجھے شفوی نے کسی عجی کے آنے کا نہیں کہا تھا اے میاں جو کوئی ہوا اپنے گھر کی راہ لو۔“

”شفوی بائی گھر پر نہیں ہیں کیا۔“

”مما مارکٹ گئی ہیں عجی بھائی۔“ بچے نے معلومات دیں اور وہ خاتون اسے گھورنے لگیں۔

”مغیر بچے ہر ایرے غیرے کو اپنی زندگی کے

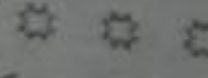
ان کا یہ بچہ۔

ماں نے عجیل احمد کو دکھا اور ماں دوسری کرسی پر آن بیٹھیں پھر دوستانہ لہجے میں بولیں۔
 ”آج تمہارا دل اسکول جانے کو نہیں کر رہا تھا اور ابا نے زبردستی اسکول بھیجا تھا نا؟“ عجیل احمد نے چونک کر سر اٹھا کر ماں کو دیکھا یہ ماں کب سے اس کے دل کی بات جاننے لگیں۔ وہ یکدم کنفیوژ ہو گیا۔ بہر حال وہ کسی پر آشکار ہونے کا موذ نہیں رکھتا تھا۔ بظاہر تیرہ سال کا تھا مگر سوچیں تو بڑے دماغ کی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی عمر کے کھیل، شرارتیں اور باتیں اس سے ہضم نہیں ہوتی تھیں اور ابا کہتے وہ حد درجہ ڈسٹرب بچہ ہے اور نا فرمانی نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیے۔ ماں پر اس کی نظراب بھی نکلی ہوئی تھی۔ وہ کتنی دیر ماں کو دکھتا رہا پھر ہولے سے بولا۔
 ”مجھے لگتا ہے میں آپ کا سب سے برا بیٹا ہوں۔“

ماں نے لہجے میں عجیب احساس پایا تو کھینچ کر سینے سے لگالیا پھر سر پر ہلکی سی چست لگا کر بولیں۔
 ”پاگل ہوا ہے میرا بیٹا برا کیسے ہو سکتا ہے مجھے تو لگتا ہے میرا یہ والا بیٹا سب سے اچھا والا بیٹا ہے، بس کچھ جھلا ہے نہ اپنی سمجھ ہے کچھ نہ اپنے دل کی اور اپنے آپ سے بھاگا پھرتا ہے اتنا سا ہے پر اندر سے لگتا ہے بہت برا ہو گیا ہے۔“ ماں نے ان پڑھ ہو کر بھی اس کا بالکل ٹھیک تجزیہ کیا تھا اسے حیرت ہوئی تھی اس کی سچر تو کہتی تھیں اعلا تعلیم ہی انسان کو سمجھ بوجھ عقل دیتی ہے۔ شاید انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا اعلا تعلیم انسان کو سمجھ بوجھ عقل تو دیتی ہے مگر اس کو کس طرح استعمال کرنا چاہیے یہ زیرک فہمی صرف ایک ماں جان سکتی ہے یا اللہ دے سکتا۔ اس کی ماں ان پڑھ ضرور تھی مگر جاہل نہیں تھی اور اعلا تعلیم پانے والے بس اس نازک نکتے کو نہیں سمجھ پاتے اور سامنے والے کو رد کر دیتے ہیں، حالانکہ انسان خود کو رد کر دیتا ہے تب دوسرے کو سمجھنے کی پہلی سیڑھی چڑھتا ہے۔

”ماں۔۔۔“ اس نے سوچتے ہوئے ماں کو پکارا اور جو اس کے سر میں انگلیاں پھنسائے اس کا سر سہلا دیا

معمولات نہیں بتایا کرتے۔“ انہوں نے بچے کو پکارا پھر اس کو دیکھ کر سختی سے بولیں۔
 ”بس میاں بست ہو گئی اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔“ اس نے سر ہلا کر دو اذہ پر رکھا اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔
 ”پہچان کس قدر ضروری ہے۔“ یہی وہ لمحہ تھا جو اس کے اندر کی ہونے والی مزاج کی سختی کو یکدم عدم سے وجود میں لے آیا۔ اس کے الگ اور ہٹ کر کیے جانے والے سارے کالم اس پہچان کی خواہش ہی سے توفیق پذیر ہوتے تھے۔
 اہمیت اختیار کرنا وجود کی ایک مضبوط وجہ بنتا۔



اس نے اس دن کنفیو باجی کے گھر سے قدم موڑے تو سیدھا گھر پر آکر لگا۔ ماں اتنی جلدی آتے پر ہر اس ماں ہو گئی تھیں۔
 ”طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔“ اس نے بیک سائڈ ٹیبل پر رکھا اور صاف گھر کو دیکھ کر مٹی میں کھینچے جا کر زائدارے درو گرد مٹی بکھری ہوئی دیکھ کر اس کے اندر عجیب طرح کی موج نے دستک دی مگر ابھی وہ اس موج کو طول نہیں دے سکا تھا وہ ماں کو خاموشی سے مٹی اکٹھا کرتا دکھتا رہا ماں مٹی ڈسٹ بن میں ڈال آئیں اسے لگا وہ کرسی پر بیٹھا تھا مگر اس کی ماں نے اس کا کچھ حصہ ڈسٹ بن کی نذر کر دیا ہے ماں واپس بیسن میں ہاتھ دھو کر پلو سے ہاتھ پونچھتی اس کے قریب پھر سے آئیں۔
 ”کیا ہو گیا طبیعت خراب تھی؟“

اس نے ٹائی اتار کر ٹیبل پر دھری، پھر سچائی سے بولا۔
 ”ابو! اسکول جانے کو دل نہیں کرتا تھا اس لیے چھٹی کر لی جھوٹ بول کر گھر آ گیا۔“

وہ غلطی کو کبھی چھپاتا نہیں تھا۔ ہمیشہ سچ بولتا تھا۔ اس کی اس دہری شخصیت پر غم ان رہتی تھیں، کبھی اس سے زیادہ نرم دل کوئی نہ ہوتا، کبھی اس سے زیادہ بے حس کوئی اور دکھائی نہ دیتا۔ بہت الگ تھلک تھا

طنز و مزاح سے بھر پور کالم آپ سے کیا پردہ

ابن انشاء

قیمت : 250/- روپے
ڈاک خرچ : 30/- روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
280/- روپے روانہ کریں۔

مکتبہ عمری ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

میں فوراً بولیں۔
”جی میرے بچے کیا کہتا ہے۔“
”آپ نے ایک بار کہا تھا آپ کو میری ذات سزا کی
جگہ ملتی ہے آپ نے ایسا کیوں کہا تھا۔“
”ماں تو یہ سب کہہ کر بھول بھی گئی تھیں۔ یکدم
پروا نہیں سیدھی سی بات تھی کم خواہ میں پانچ بچے
ان کی تعلیم اچھا کھلانے پڑھانے کی ذمہ داری
میں اکیلی جان پر ہو تو کبھی کبھی منہ سے سخت بات نکل
جاتی ہے انسان ایک جیسے حالات سے ادب کر اپنے
دور کا غصہ کسی اور پر نکالنا چاہتا ہے پھر غصے میں یاد
بہرتا ہے کون سا لفظ کس طرح جڑا کسی لفظ کے
تو مل کر مزید سخت ہو گیا اور اس وقت عجیل ایسے
کسی جملے کی بات پوچھ رہا تھا انہیں کچھ سمجھ نہیں آ
تا لیکن کچھ کہنا تو ضروری تھا سو گلا کھنکھا کر کہہ
دیں گے۔“
”وہ لفظ غصے میں نکل گئے تھے بیٹا اس کا حقیقت
میں کوئی تعلق نہیں تھا۔“
عجیل احمد نے اماں کے سینے سے سر ہٹا کر اماں کو
پہچان نہیں گونگو کی کیفیت میں دیکھ کر بولا۔
”مگر اماں میری سچ تو کہتی ہیں انسان صرف دو
دیں میں لازمی سچ بولتا ہے ایک مرتے وقت دو سرا
کی حالت میں۔“
اماں نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اب معاملہ ان کی دسترس
میں چکا تھا مگر سر حال وہ ابھی تک سوال بنا انہیں
پہچان نہیں کچھ اور کہنا ضروری تھا۔
عجیل بیٹا تمہارا سب سے الگ رویہ مجھے
تو میں بہت ہوتا تھا مجھے ڈر لگتا ہے۔ تم بہک
و اس لیے اس دن غصے میں وہ لفظ نکل گیا تھا مجھے
کا تو کہ تمہاری خراب تربیت کا سارا الزام
میں آجائے تم تو جانتے ہو میں اپنے تینوں
بچوں کیوں میں کوئی بھید بھاؤ نہیں رکھتی وہ
بچے اماں کے لبا کے فرمانبردار ہیں مگر تو اپنی من
میں بول کو ڈر سا لگتا ہے۔“
عجیل کی کہنے سے آپ کو یہ کیسے لگا میں نا فرمان

ہوں یا چھو ہوں کیا میں نے سمجھی آپ سے کسی بھی بات کے لیے جھوٹ بولا؟" اماں نے نفی میں سر ہلایا۔
 "مجھے کہنا پڑتا ہے تو نے کبھی میرے سامنے اپنی کسی غلطی پر بھی جھوٹ نہیں بولا، بھلے اس کے لیے کسی بھی طرح کی سزا ہی کیوں نہ دینی ہو۔"
 "ملا نہ میری سچر کہتی ہیں سچ بولنے پر بھی بچے کو سزا نہیں دینا چاہیے کیونکہ وہ پھر ساری زندگی جھوٹ بولتا رہتا ہے۔"

اماں نے عجیل احمد کو نہایت فکر مندی سے دیکھا۔

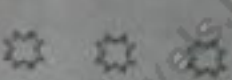
"یہ تیری کون سی نئی ٹیچر ہے جو ایسی بڑی بڑی باتیں بتا کر ابھی سے تیرا دل غراب کر رہی ہے؟"

عجیل احمد نے اماں کو نکھار کر سامنے بولا۔
 "ہمیں اچھی باتیں کہنے والوں کو برا نہیں کہنا چاہیے اماں یہ کفرانِ نعمت ہوتا ہے ہر اچھی بات انسان کے لیے انعام ہے اگر وہ سیکھ لے۔"

اماں نے کچھ نہیں کہا مگر کچھ میں وہ ہر کا کھانا بناتے ہوئے ان کا دل غراب کرنے میں اس کی باتوں میں اڑا ہوا تھا۔
 سچ تھا وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ عجیل احمد کی ساری ٹیچرز سے ملتی ہوئی تھیں اور وہ ساری ٹیچر عموماً "گورنمنٹ اسکولز کی ٹیچرز کی طرح مارے پاندھے پڑھانے پر تھیں رکھتی تھیں" اسی لیے انہوں نے اس کی حالت دیکھ کر گھر آکر خوب ہنگامہ کیا تھا کہ عجیل کا اسکول بالکل اچھا نہیں ہے اسے کسی اور اسکول میں ڈالنے کی ضرورت ہے اگر اس کا رزلٹ اچھا نہ رہتا ہے یا کچھ بنتے ہوئے دیکھنے کی خواہش ہے، ابا، طارق، شارق، صبیحہ اور شادی نے بھی اماں کی حمایت کی تھی مگر اس نے ضد کر لی تھی۔

"مجھے اسی اسکول میں پڑھنا ہے کچھ بننے کی دھن رکھنے والے کسی بھی جگہ سے پڑھیں کچھ بن کر ہی نکلتے ہیں۔" سو اس کی ضد کے آگے سب کو ہار مانی پڑی تھی کیونکہ اس نے ماں، باپ سے ہٹ کر بھی اپنی ضد برقرار رکھی تھی بلکہ دھمکی بھی دے دی تھی کہ اگر اس اسکول سے نکالا گیا تو وہ کسی ورکشاپ میں نوکری

کرے گا۔ مجھے گا نہیں اس لیے ابا کو ہار مانی پڑی تھی اب اماں کو ٹکٹ لگ گئی تھی۔ وہ اس کی اتنی ذہین ٹیچر کا کھوج لگالیں جو ان کے اتنے سے بچے پر اپنی علمیت کا جھوٹ چڑھا رہی ہے وقت سے پہلے کی ذہانت بھی انسان کو کند کر دیتی ہے جب اس کی باتوں کو سمجھنے والا کوئی دوسرا انسان نہ ملے تو انسان اپنی موت آپ مر جاتا ہے، یا مایوسی کے اندھیروں میں گم ہو جاتا ہے کچھ کر گزرنے کے لیے ضروری ہے ارد گرد آپ کی بات سننے اور سن کر سمجھنے والے لوگوں کی قربت ہو۔



اماں بھلے پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر مزید بھلائی تھیں اس لیے دوسرے دن اپنی وہ اس کے بریک سے پہلے اس کے اسکول پہنچ گئی تھیں پر پہل سے اس کی پروگریس لینے کے بہانے انہوں نے کسی نئی ٹیچر کے بارے میں بھی پوچھا خود بھی ٹیچرز کو دیکھا کوئی نیا چہرہ نظر نہیں آیا۔

"یہ سوال غیر ضروری سی لیکن کیا میں جان سکتی ہوں آپ نے 8th کلاس کے لیے کوئی نئی ٹیچر رکھی ہے؟ دراصل میرا بیٹا اپنی ٹیچر کی علمی قابلیت کے اتنے قہرے شاکار رہتا ہے کہ میرا دل بے ساختہ اس کی ٹیچر سے ملنے کو چاہنے لگا اور میں گھر کی مصروفیت چھوڑ کر اسکول آگئی آپ تو جانتی ہیں ہم گھریلو خواتین کی ذمہ داریاں۔"

مسکرا کر اس دیکھتے ہوئے موضوع سے قطع نظر کہ گھریلو عورتیں زیادہ کام کرتی ہیں یا باہر کام کرنے والی خواتین زیادہ محنت کرتی ہیں ایک دم اصل موضوع پر آگئیں ذہن میں ٹیچر کی لسٹ دہرائی پھر مسکرا کر پوچھیں۔

"میرے علم میں ایسی کوئی ٹیچر نہیں ہے جو بقول آپ کے بے حد قابل ہو آپ کو تو بتا ہے ہمارے ہاں کا ٹیچر آج کل یہاں جیسی کو کوئی نوکری نہیں ملتی وہ ٹیچنگ لائن میں آجاتا ہے۔ میں یہ ان ٹیچرز کے متعلق نہیں کہہ رہی جو تعلیم کو خون جگر دے کر آج

سنچنے کے عملی مظاہرے میں اپنی محنت صرف کر رہے ہیں۔ میں یہ صرف ان افراد کے لیے کہہ رہی ہوں جن کی مقدار آلے میں نمک کی مقدار سے بھی زیادہ کم ہے اس لیے قوم کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا۔

”نسل صاحبہ بلا کی باتوں تمہیں اور شاید کسی زمانے میں دیکھ رہی ہو چکی تھیں اماں چونکہ لیوی کے ٹاک کی ایک ہی دھواں دھار تقریریں ہوتے دیکھ چکی تھیں اس لیے فوراً اندازہ لگایا اور اجازت لیتی ہوئی کپڑے ہنگامہ ہو بریک کا جوا چانک ہی ہو گئی تھی ہر اماں نے چہرہ چاب سے چھپا رکھا تھا مگر بیٹے کی تیز فہمی سے ہر اس اماں تمہیں دیکھ لیا اس نے تو پھر سے عجیب طرح کے سوال اٹھانے لگے گا وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی پرنسپل کے روم سے سیڑھیاں اترتی ہانسنے کے پارک کو طے کرتی گیٹ تک پہنچنے ہی والی تھیں کہ اچانک کسی نے ان کے برقعے کو ہینچ لیا۔

”اماں۔ اماں یہ آپ ہیں نا۔۔۔“

اماں کو ہائی بھرتے ہی بی بی اس نے اقرار سنا تو فوراً اپنی لمبے میں بولا۔

”بریں بات اماں آپ اسکول آئی تھیں تو مجھ سے بے خبر کیوں جا رہی تھیں۔“

”مجھ سے اماں گھر میں مل لیتی ہیں کافی نہیں۔“ اماں کی جگہ رضا نے جواب دیا تو اماں کے منوں پر مسکراہٹ آگئی۔

”یہ تمہارا نیا دوست ہے۔؟ اماں نے پہلی بار کسی اس سے اتنی بے تکلفی کرتے اور اتنی بے تکلفی سے اس پر ہمارے دیتے سنا تھا انہیں اچھا لگا تھا۔“

”تم نے بتایا نہیں یہ تمہارا نیا دوست ہے۔“ عجیل احمد نے اماں کے پاس بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ وہ پہلی کے روم کے باہر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے تھے عجیل احمد نے سانس لی گہری سی بھاگ دوڑ سے جو ان کا دوران حیز ہو گیا تھا اسے نارمل کیا پھر آہستگی سے

”ہاں نہیں اماں یہ میرا دوست ہے یا نہیں لیکن کبھی

بھی اس کی باتیں اتنی اچھی لگتی ہیں اسے دوست کہنے کو دل چاہتا ہے حالانکہ میری سچ کہتی ہیں ایک اچھے دوست کی تلاش ہے تو انسان کو کوئی اچھی کتاب پڑھنی چاہیے اچھی کتاب آپ کو کسی بھی طرح کا نیا علم بغیر آپ پر احسان نہائے آپ کے اندر انڈیل دیتی ہے اور اگر ہم اس کتاب کو کہیں رکھ دیں تو وہ انسانوں کی طرح آپ کی کسی کی پر ہستی نہیں ہے نہ پیٹھ پیچھے آپ کی برائی کرتی ہے۔ آپ جتنی مرتبہ اس کتاب کو اٹھائیں وہ آپ کو اتنی ہی مرتبہ خوشی سے دیکھ کر تلی ہے۔“

”لیکن بار بار ایک کتاب پڑھنے سے اس کا تجسس والا چارم تو ختم ہو جاتا ہے نا آپ پہلے سے جانتے ہیں آپ کیا پڑھنے جا رہے ہیں۔“ رضوانے اسی کی طرح کی مشکل بات کی اماں کو ان کی دوستی کی سچ پتا چل گئی ان کی نظریں عجیل احمد پر آگئی ہوئی تھیں اور عجیل احمد نے کچھ سوچ کر کہا تھا۔

”کسی چیز کا چارم ختم ہوتا ہے تو وہ خامی اس چیز میں نہیں ہوتی ہمارے اندر ہوتی ہے کیونکہ جو چیز ہمیں اچھی لگتی ہے یہ اس کا حق ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح اچھی لگے۔“

”اتنی بڑی بڑی باتیں مجھے خوف آنے لگا ہے تیری باتوں سے کس پر چلا گیا ہے عجی۔“ اماں نے فکر مندی سے دیکھا۔ اس نے کندھے اچکائے پر ماں کا دل تھا لایا سے اسی رات کہنے لگیں۔

”مجھے لگتا ہے اپنے عجی پر کسی بہت عالم قسم کی روح نے قبضہ کر لیا ہے ورنہ ہمارے باقی بچے بھی تو ہیں انہوں نے ایسی مشکل مشکل باتیں کبھی نہیں کہیں۔ اس کی باتیں سنو تو لگتا ہے کوئی پوری عمر کا پکا مرد بول رہا ہے اتنی گہری نظر اتنی بڑی بڑی باتیں سے میں کہے دیتی ہوں اس بچے کو کسی پیرسیانے کو دکھاؤ ورنہ میرا بچہ کیسے حق ہو کہتا گھر سے باہر نہ نکل جائے۔“ اماں کی فکر مندی کو نہایت خلوص سے جوابا ”فکر مندی سے لیا پھر یکدم انہیں اس کی نافرمانیاں یاد آگئیں اور وہ ترخ کر بولے۔“

”ٹھیک کہتی ہو تم کسی طرح جو غیروسی کا جتنا ہو گا نماز پڑھنا اسے پسند نہیں ہے اللہ کی طرف راغب کرتے کرتے تو اب مجھے خود شرمندگی ہونے لگی ہے کہ بار بار اصرار اور بار بار انکار کتنی بار کہا اللہ تعالیٰ ایسے بے عملوں سے سخت نفرت ہے کتنا ہے رہنے والا مجھے معلوم ہے اللہ تعالیٰ کتنی محبت کرتا ہے اپنے بندوں سے مجھے نہیں لگتا اس نے مجھے آپ کی طرح کبھی غفلت سے نہ لکھا ہو گا۔“ تو بھلا اس نے تو اللہ کو بھی اپنا دوست بنا لیا کمال ہے یتیم یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہ آیا واقعی اسے کسی چیز کی سیانے کو دکھانا ہی پڑے گا۔“

لیانے اماں کے خیال پر تصدیق کی مرثبت کر دی اور ایک چور کے پاس لے گئے انہوں نے عجیل احمد سے سوالات شروع کیے عجیل کچھ ہی دیر میں ان کے بارے میں جان گیا تھا اسے وہ لطیفہ یاد آگیا جس میں ایک جعلی چور کو اس کا معقد کہتا ہے اگر آپ سچے ہیں تو اس درخت کو کہیے وہ آپ کے پاس چل کر آئے جعلی چور نے ہانک لگائی۔

”حاضر ہو۔“ بہت دیر تک زلٹ نہیں نکلا تو اپنے چیلوں کے ساتھ وہ اٹھ کر خود درخت کے پاس چلا گیا اور مسکرا کر بولا۔

”درخت چلی کر نہیں آسکتا ہم تو چل کر اس تک جا سکتے ہیں آپ تو جانتے ہیں ہماری فیلڈ میں غرور زہر چل ہے۔“

اور یہی لواہیل برقرار تھی۔ عجیل احمد نے ابا کو لاکھ کہنیاں ماریں لاکھ سمجھایا مگر ابا ایک نہ مانے اپنی حق حلال کی کمائی کے پانچ سو روپے ان پر ہی صدقہ چٹی میں ڈال کر سات دن کے فلیٹس جلانے کے لیے لے آئے عجیل احمد نے چور صاحب کو غفلت سے دیکھا تو تڑپنے لگے۔

”دیکھو احمد! یہ بہت بھاری جن ہے اسے اتارنے کے لیے تمہیں یہاں مسلسل حاضری دینی پڑے گی۔“ ابا نے اثبات میں سر ہلایا وہ گھر آئے تو اس نے خوب ہنگامہ کیا۔

”الگ بولنا الگ سوچنا الگ رہنا ضروری نہیں کہ یہ

سب علامات جن کی وجہ سے ہوں ابا میں ذرا ہٹ کر جینا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں میں ایسا انسان بنوں کہ وہ اپنے بچوں پر اچھے بھٹے ذمہ داری کا بوجھ کہہ کہہ کر انہیں دق نہ کرے مجھے اماں کی محبت اچھی لگتی ہے مگر جب یہ کوسٹوں طعنوں پر اتر آتی ہیں تو میرا دل چاہتا ہے میں اس گھر سے نکل جاؤں کبھی کبھی جو آپ دونوں لڑنے لگتے ہوتا مجھے یہ بھی برا لگتا ہے۔“

”دیکھو کیسے زبان فرالٹے بھر رہی ہے۔ میں کہے دیتی ہوں یہ بہت سخت اثر ہے۔“ اماں نے پھر بھی نہ سنا اپنی بات پر جمی رہیں تو اس نے صبیحہ بچو سے اداو چاہی۔

”مجھے ان بکھیروں میں مت کھینچے آپ جانتی ہیں بچو میرا زلت ہمیشہ سب سے اچھا آتا ہے۔“

صبیحہ بچو جو بنگ کی چادر بدل رہی تھیں رک کر اسے دیکھنے لگیں کچھ بولی نہیں اور وہ بلا کا ذہن فوراً منمنانے لگا۔

”آپ اس طرح مجھے دیکھ کر یہ تو نہیں کہنا چاہئیں کہ میں جس اسکول میں پڑھ رہا ہوں وہاں گریڈ آٹا ٹاپ کرنا کوئی مقابلے کی بات نہیں کیونکہ اس کے تعلیمی معیار سے آپ مشکوک ہیں۔“ صبیحہ بچو دھڑ سے بنگ پر بیٹھ گئیں پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولیں۔

”اماں کو ٹھیک لگتا ہے بھی تم تو اپنی عمر سے بہت بڑی باتیں کرنے لگے ہو اٹھویں کلاس کے بچے کے پاس اتنا ذخیرہ الفاظ تو نہیں ہوتا جس طرح تم پڑھ پڑتے ہو اور بولتے ہو تو الگ بات ہے تم تو آنکھ کا اشارہ دل میں چلتی بات بھی پک کر لیتے ہو یہ امیزنگ ہے تمہاری عمر کے بچے۔“

”پلیز بچو یہ میری عمر کے بچوں کا ٹاپک بند کر دیجیے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے میں اتنا ذہین بچہ ہوں کہ مجھے خود سے کچھ سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی میں اپنا اچھا برا جانتا ہوں رہی دل کی بات جانتا تو آپ کے اندر یہ صفت گاؤں گاؤں ہوتی ہے بس اٹھ جائیں پڑھنا آتی چاہیں۔“

میں جو صبح بخیر کہہ کر اٹھیں۔ مگر تو کیا خاک
 میں نور؟ جا کر اماں کے گیمپ میں شامل ہو گئیں۔
 جن کا اثر ہو یا نہ ہو مگر یہ طے ہے کہ عجیبی
 دل بانی نہیں کرتا اس کی عمر کے بچے انہیں تو کھیل
 سے ہی فرمت نہیں ملا کرتی۔ ایک کھیل کے ختم
 ہونے ہی دو سر اکیلے لگتے ہیں کبھی کبھی تو ان کی زندگی
 میں پڑھائی کا اسٹیپ آتا ہی نہیں ہے اماں کچھ

کریں۔
 لاس سینڈ ایر میں پڑھنے والی اپنی ڈیپٹر بٹی کو دیکھ کر
 مرنندی سے سر جھکا گئیں کچھ کرتی تو کیا بس وہ جو
 نور ابست اوہرا دھرجاتا تھا اماں نے اس پر بھی پابندی

لگادی۔
 ”گھر میں بیٹھو پتا نہیں کسے کیسے دوست بنا رکھے
 ان جو وقت سے پہلے ہی تمہیں بڑی بڑی باتیں کرنا
 سکھارہے ہیں مجھے ہر وقت لگتا ہے تم کہیں بگڑ نہ جاؤ

عجیل احمد کیا کہتا ماں کے اس خیال پر سننے کے سوا
 اس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہ گیا ہاں یہ ضرور تھا کہ
 اب اس کے گھر کے اسٹور روم میں کتابوں کا ذخیرہ
 بھتا جا رہا تھا اماں ہر طرح کی غیر نصابی کتابوں کے
 منت خلاف تھیں ان کا خیال تھا تعلیمی دور میں —

یوں کو اپنے کورس کی کتابوں کے سوا کسی اور کتاب کو
 اتھ نہیں لگانا چاہیے اماں اس بات کو ماننے کو تیار ہی
 نہیں تھیں کہ کتاب کسی بھی طرح انسان کی زندگی میں
 ملتی تبدیلی لا سکتی ہے ایسے ہر موقع پر وہ ابا کی مثال
 ماننے رکھ دیتیں جونی اے پاس تھے مگر آج تک ایک
 بڑا اسٹور کی لگی بندھی کمائی سے زیادہ آگے تک کی
 کسی نوعیت کی کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے خود ابا
 کی کتابوں میں صرف فکشن بکس کے علاوہ کچھ پڑھنے
 کے حق میں نہیں تھے ایسے میں اس کی گفتگو سب کے
 لیے اچھے سے کم نہیں تھی۔

ایک صبح بخیر کہیں جو سینڈ ایر میں تھیں ایک
 بھی ڈیپٹر تھیں مگر اس ساری کامیابی کا سہرا ان کی
 ایک ایسی دوست کے سر جاتا تھا جو اچھے الفاظ تو رکھتی

تھی دلائل کی بھی جس کے پاس کی نہیں تھی مگر بولنے
 کا وقت آتا تو اس کا حلق خشک ہو جاتا ٹانگیں کانچنے
 لگتیں اور سارے دلائل بھک سے اڑ جاتے یہی وجہ
 تھی وہ پس پردہ رہ کر صبحہ پر محنت صرف کرتی جب
 صبحہ کوئی ڈیپٹر جیت کر اسٹیج پر تالیوں کے شور میں
 کھڑی ہوتی تو وہ سمجھتی اس نے معرکہ سر کیا اس کی
 بات دور تک گئی ہے اس کے خیالات کو سراہا گیا ہے یہ
 اور بات ہے صبحہ بخیر کی باتوں میں کبھی بھی ناشفین بخیر
 کے لیے کوئی لفظ نہ ہوتا جو انہیں سراہتا مگر وہ ایسی
 درویش منش تھیں کہ وہ اس پر ہی خوش تھیں انہیں
 اپنی زندگی کی اس چال پر کوئی اعتراض نہ ہوتا کم از کم وہ
 اس چال کے ساتھ ساتھ زندگی کا سفر تو کسی حد تک
 طے کر پار ہی تھیں مگر نہ ان کے گھر کا ماحول قبل مسیح
 جیسا ہی تھا۔ پتا نہیں کیسے بڑے بھیا نے ان کے کالج
 جانے کا مقدمہ لڑا تھا اس لیے وہ اسی ذرا سی آزادی
 منشی بھر آسمان پر ہی خوش تھیں۔ پھر طارق بھائی تھے
 ابا کی طرح قناعت کی پڑیا بلکہ کہنا چاہیے انہیں نئے
 کام کرنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ ساری زندگی لگے
 بندھے انداز میں گزارنے کے عادی تھے ان کی اس
 عادت کا اندازہ اس بات سے لگا لیتا ہی کافی تھا کہ اگر ان
 کے گدے کے سہرانے الارم کلارک بائیں جانب ہوتی
 تو وہ ہفتوں بائیں جانب ہی رہتی ان کے اندر کچھ نیا
 سیکھنے کی امنگ ہی نہیں تھی بس پڑھ لکھ کر لیا کا جہل
 اسٹور ہی تو سنبھالنا ہے۔ یہ ان کا ذاتی خیال تھا اور وہ
 اس خیال میں اتنے راسخ العقیدہ تھے کہ پھر دنیا کی طرف
 نئی طرح سے دیکھنے کی ہمت مجتمع ہی نہیں کر پاتے
 تھے۔

ان کے بعد شارق بھائی تھے۔ وہ کھیل کے بہت
 دیوانے تھے اسکول میں ہمیشہ غیر نصابی سرگرمیوں
 میں اچھے نمبر آتے تھے اسکول میں ان کی شمولیت
 بھی اسی وجہ سے تھی پرنسپل تک ان کا دم بھرتے
 تھے۔ بلکہ جن دنوں اسپورٹس سیزن کی وجہ سے وہ
 اسکول سے غیر حاضر رہ کر دوسرے اسکولز کے ساتھ
 چوکھی لڑ رہے ہوتے ان ہی دنوں کا سارا سلیبس بھی

اندر ایک سرے کی طرح کچھ ڈھونڈنے لگی صبیحہ بھو بھی اس پر اٹھتے بیٹھتے نظر رکھنے لگیں اور شانزدہ اتنی چیز نکلی کہ اس پر نظر رکھنے کی بجائے اسٹور روم میں جا گئی۔

ایک برائی ٹوٹی پھوٹی الماری کتابوں سے الٹی ہوئی تھی کچھ کتابیں دو سری چیزوں پر بھی دھری ہوئی تھیں ایک جگہ بکسوں کے درمیان جگہ صاف کر کے ٹاٹ کا کپڑا بچھا ہوا تھا اور اس کے گرد ایک ساڈر لمب رکھا تھا یہ لمب اسے شفو بلدی نے اس کے تھوڑے آنے پر دیا تھا بجلی کا انتظام یہاں پہلے سے تھا اسٹور روم میں گرم کپڑوں اور گرم لٹانوں کا بھی بکسار رکھا تھا اور بھی دو سری چھوٹی موٹی چیزیں پڑی تھیں جن کا استعمال ہوتا ہی رہتا تھا اور جو جگہ کی کمی کی وجہ سے عام حالت میں اسٹور روم میں ہی رہتی تھیں اس لیے بجلی کا انتظام بہتر ہی رہتا تھا شانزدہ نے اسٹور روم کو دیکھا تو چیخ ماری۔

”اے اے اے! اسٹور روم دیکھیں یہ تو ہمارے اسکول کی لائبریری لگ رہی ہے۔“ اماں بھائی ہوئی آئیں اور دو سری ڈیٹی یقیناً ”عجیل احمد کی بھی اماں نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔

”اچھا تو اب کبھی میں اسٹور روم کے سارے کام تو نے اپنے ذمہ کیوں لگا رکھے تھے۔ کہیں بھی ہوتا اسٹور روم کی آواز نکلتی ہی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاتا۔ یہ کام میں کرنا ہوتا ہوں میں بھی کہوں یہ لڑکا جو ہر کام میں اپنی مرضی کرنے کا عادی ہے یہ دو سرے کی مرضی کیوں کرنے لگا ہے۔“ عجیل احمد نے سر جھٹکا لیا وہ رنٹے ہاتھوں پکڑا گیا تھا پھر شام کو لایا آئے تو کتابوں کی فہرست پڑھی کئی منٹوں باوجود یہ اشفاق احمد کرشن چندر اور بھی بہت کچھ لہا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”یہ کتابیں تھے سمجھ آ جاتی ہیں۔“

”کچھ کچھ اب اسب کچھ نہیں سمجھ آتا۔“

صبیحہ بھو نے منٹوں کی کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اماں نے تیزی سے کتاب اچکلی۔

”بچے نہیں پڑھتے ایسی کتابیں۔“ صبیحہ بھو نے

پریل اور بچہ کی نظر عنایت کی وجہ سے ٹوڑا بخود انہیں نیند کر کے ہی مٹاؤں ہوں یا امتحان کی تیاریاں وہ سب انسانی بنیاد پر انہیں فراہم کی جاتیں ہیں وجہ بھی کہ وہ گھر بھر میں سب سے زیادہ شاربذہن کے انسان تھے کون سا لکھم کس طرح نکھانا چاہیے کیسے نکالا جاسکتا ہے جس بندے کو کمال استعمال کرنا ہے اپنے مقصد میں کس طرح توجہ کرنا ہے انہیں انہیں میں ملکہ حاصل تھا اماں کی کارکردگی سے مطمئن تھے اس لیے ان کی کمر سے ضروری اور غیر ضروری غیر حاضری کو وہ خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ایسے ہر موقع پر ابا کمرے کی کارڈ پر بے شارق بھائی کے مختلف کیمرز میں جیتے گئے انکلمات اور شیلڈ اور وہ ساری تعریف جو ان کے پریل یا دو سرے اسکول کے مسابقت میں شریک بچوں کے نیچے کرتے تھے ایک نشے کی طرح طاری ہو جاتی اور وہ زبان دوا بھی کھل بھی نہ پاتی تھی کہ بند ہو جاتی تھی وہ کئی شانزدہ تو وہ اس سے دو سال چھوٹی تھی اس لیے کسی فتنی میں نہیں تھی بلکہ یوں کہتا چاہیے وہ بھوں کے کردار کا مزید مرکب تھی صبیحہ بھو ایسے چلتی ہیں ایسے اٹھتی ہیں ایسے بولتی ہیں اماں ایسے موقع پر یوں کرتی ہیں ابا کو یہ چیز پسند ہے طارق بھائی کو وقت کی پابندی اچھی لگتی ہے شارق بھائی کو کیمرز سے عشق ہے اس لیے ان کی نظر عنایت کے لیے اس کیمرز سے دلچسپی لینا مشروط ہے۔

وہ گیارہ تو بلی گھر والوں کی طرح اس کی نظر میں بھی عجیل احمد کی حیثیت ایب نارمل پرائیم چائلڈ سے زیادہ نہیں تھی اس لیے تنہائی یوں ہی اس کے ارد گرد بکھری رہتی بلکہ اسے لگنے لگا تنہائی بلی کی طرح ہے اور قطروہ قطروہ اس کے گرد قلم کی طرح جمع ہوتی جا رہی ہے ممکن بلی چونہ پاس بھاتا ہے نہ آبیاری کر سکتا ہے سو اس کے گرد لفظوں کا گھیر اور تنگ ہوتا چلا گیا یہ اور بات کہ اس کی زیادہ تر اسٹور روم کی مصروفیات بہت عرصہ پہلے ہی نہ رہ سکیں۔

”یہ عجیل اسٹور میں کیوں گھس رہا ہے۔“ سب سے پہلے اماں نے سوال اٹھایا۔ ابا کی نظر بھی اس کے

کسا کر لبا کو دکھا۔
 یہ تو اتنا پھوٹا سا ہے اس نے بھی تو بڑھی ہے پھر
 یہ تو اتنا پھوٹا سا ہے کہ منٹو سے زیادہ سچ کسی نے
 نہیں لکھا وہ انسان کی زندگی مسائل کی بات
 ہے انسان کے جذبات پر نظر رکھ کر کچھ لکھتا
 ہے۔" ابا نے مٹھوک نظروں سے صبیحہ بچو کو دیکھا
 عجل احمد تو یک دم فیڈ آؤٹ ہو گیا تھا "پھر کراری سی
 لڑائی ابا نے کہا۔

"تم نے تعلیم جاری رکھنی ہے یا گھر بیٹھنا ہے۔"

ابا نے مٹھوک کے پھر مکرر بولے۔
 "تجی فیس جو میں بھرتا ہوں تمہارے اچھے
 مستقبل کے لیے بھرتا ہوں کہ آگے جا کر کچھ کر لو تم
 کسی کے ہاتھ کونہ دیکھتی رہو اپنے پیروں پر کھڑی لڑکی
 آج کے معاشرے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر تم یہ
 منٹو کے طرز تحریر میں جا کر انک گٹیں نا تو پھر تعلیم تو
 نہیں کہیں بڑی رہ جائے گی اور تم خود کہیں اور ملو گی
 مجھے سمجھ لو مجھے منٹو جیسے سچ کچھ بہت برے لگتے ہیں
 کچھ چیزیں جو حجاب میں رہیں تو اچھی لگتی ہیں سرعام لا
 کر رکھ دی جائیں تو کیا ضروری ہے ہر پرانے والا اس کا
 مقصد سمجھ کر اس غلطی کو نہ کرنے کا عہد کرے یوں
 بھی تو ہو سکتا ہے کچھ ادھوری باتیں کچھ مکمل تجتس
 پیدا کر دیں مگر گزرنے کے لیے انکسپاٹ بھرویں اور
 صبیحہ میں ایسی کسی غلطی کا متحمل نہیں ہو سکتا بس
 ملے ہو گیا آج کے بعد تمہاری فرینڈ آسیہ تمہاری
 دوستی کی لسٹ سے خارج ہے۔" صبیحہ بچو نے کندھے
 اچکائے اٹھیں کون سا جینے مرنے جیسی دوستی کا شوق تھا
 وہ تو خود مطلب پر آری کی حد تک دوستی کی قائل تھیں
 سو یہ معاملہ بہ احسن و خوبی حل ہو گیا تو پھر سے معاملہ
 عجل احمد کی طرف مڑ گیا۔

"ساری کتابیں اٹھاؤ طارق ابھی اور اسی وقت شرفو
 کی دکان پر میوے ساتھ چلو یہ ساری خرافات ابھی میں
 سچ کر آنا چاہتا ہوں۔" عجل احمد کی آنکھوں میں جان
 بھری آئی۔
 مشکل سے اپنی پکٹ منی کے ذریعے

کتابیں جمع کی تھیں اور کچھ کتابیں دوستوں کے
 بھائیوں بھوپ کی تھیں اور کچھ کتابیں لائبریری کی تھیں
 تو تھیں۔

"ابا یہ ساری کتابیں میری نہیں ہیں ان میں سے
 کچھ کتابیں لائبریری کی بھی ہیں۔" ابا نے اس کی
 طرف دیکھے بغیر طارق صبیحہ کو اس کام پر لگا دیا لائبریری
 کے نام دیکھ کر کتابیں الگ کی جانے لگیں دوستوں
 کی کتابیں الگ ہوئیں تو بہت زیادہ بڑا ڈھیر نہیں بچا

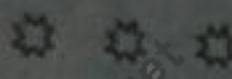
ابا نے اتنی ساری لائبریری کی ممبر شپ کھسے لے
 رکھی ہے۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"ابا آپ جو پانچ سو روپے ممبر شپ خرچ دیتے ہیں
 اس سے ہی یہ ممبر شپ لی تھیں دراصل پندرہ دن کے
 لیے ایک وقت میں صرف تین کتابیں ایشو ہوتی ہیں
 اور میری کتابیں پڑھنے کی رفتار بہت تیز ہے۔" ابا
 نے پھر کچھ نہیں کہا طارق بھائی کے ساتھ زیرو سی
 کتابیں لائبریری کو بھیجیں اس نوٹس کے ساتھ کہ
 آئندہ اس سچے کو اس طرح کی کتابیں پڑھنے کے لیے
 نہ دی جائیں بچوں کا رسالہ یا عمران میریز کے علاوہ کچھ
 نہ دیا جائے سو گھر آیا تو بہت بدل تھا کوئی بھی کلام
 کرنے سے روکنے کے لیے ضروری ہے اسے اچھی
 طرح سمجھا کر دلا کر دے کر خود ذہن میں یہ بات آ
 دینی چاہیے کہ جو بات کہی گئی وہ اتنی بھی غلط نہیں کہ
 نہ کچھ حقیقت ہے لیکن اگر کسی بات کسی کلام سے
 روکنے کے لیے ہٹرانہ انداز اپنا کر یک قلم سب
 موقوف کروا دیا جائے تو ایسی حالت سب سے ہی انسان
 اندر بہت سے ادھورے سوالات اٹھ اٹتی ہے اور
 ادھورے سوالات مکمل تجتس مکمل جواب پانے
 راہ ڈھونڈ نکال لیتے ہیں اور مکمل تجتس مکمل
 جاننے کی خواہش کبھی کبھی بغاوت کا روپ بھی اٹھ
 کر لیتی ہے اور یہ بغاوت پھر کسی لفظ کسی تسلی
 ٹھنڈی نہیں کی جاسکتی۔
 یہی حالت عجل احمد کی تھی وہ بظاہر زمین
 تھا مگر لگتا تھا کانٹوں پر کھینچ لیا گیا ہو کتابوں سے

نے اس کے اندر فستہ بھر دیا تھا تاکہ تو جین لی گئی تھی ساتھ میں اسے اس پر بھی غلطی تھی کہ دبا اور لہاں نے اس پر درپردہ یقین کرنا چھوڑ دیا انہیں لگتا تھا کہ وہ ایک برا بچہ ہے بس یہی خیال اس کے اندر جم گیا پھر لہاں نے جب اسٹول کے بعد اسے زبردستی جنرل اسٹور پر بٹھاتا شروع کر دیا تو اس کے اندر کا غصہ بڑھتا چلا گیا۔

لہاں اسے صرف جنرل اسٹور پر نہیں بٹھائے رکھتے تھے بلکہ وہ اپنے تئیں اس پر کڑی نظر رکھتے تھے جیسے آنکھ پچھنے کی تو وہ کوئی لفظی کریمینے گا۔

”میں برا بچہ نہیں ہوں بس وقت سے پہلے سوچنے لگا ہوں۔“ اس نے خود کو سلی دی۔ شفو بانی سے ملا تو بے ساختہ رونے لگا اپنی ساری پتا کہ سبھی شفو بانی نے فوراً ”سر رہا تھ پھر کر پانی پار اس کی شخصیت کا بیان رکھا اور افسانہ بیٹا ایسے لوگوں کو یاد رکھتا ہے جو آپ کے غم میں بٹھلے اپنے ہی کسی غم کو روکے ہوں مگر ان کے آنسو آپ کے ساتھ نکلے ہوں اور ایسے لمحے میں جب ساری دنیا بے اہمو ہو کر آپ کو دیکھے اور کوئی اچانک آکر آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہے ”اے آپ کی ذات پر بلا کا اہمو ہے۔“ اسی احساس سے تو زندگی پیاری لگنے لگتی ہے سو یہی احساس اسے شفو بانی سے ملا تھا اس لیے اب وہ نظر بچا کر یہاں چلا آتا خود شفو بانی بھی کتابیں پڑھنے کی رہا تھیں سو وہ اپنے پڑھنے کی تسکین یہاں پوری کرنا مگر گھر سے اس کی دوری پہلے کے مقابلے میں بدھتی چلی جا رہی تھی بھی کبھی شفو بانی اس کے گھر سے دوری پر اسے سمجھانے بھی لگتیں مگر وہ سن کر صرف ایک جملہ کہتا ”کیا میں یہاں نہ آیا کروں۔“ بس پھر شفو بانی کچھ بھی نہ کہہ پاتیں لہاں اور لہاں کی مشکوک نظریں اس پر رہا کرتیں اسے لگتا وہ گھر میں بالکل اکیلا ہے کوئی ایک بھی تو اس کی بات سمجھنے والا نہیں تھا۔ وہ بظاہر مشکل باتیں نہیں کرتا تھا مگر سمجھنے والے آسان باتوں کو بھی مشکل سمجھ کر انور کو دینے کے عادی تھے۔



وہ غریب ایئر کے پیسے دے رہا تھا جب صبیحہ بچو کی

شادی ملے یا گئی تاشفین بچو کے بڑے بھائی کو اچانک ہی صبیحہ بچو اچھی لگنے لگی تھیں بیوی نے نہایت محبت سے رشتہ بانگا تھا لیکن اس نے محسوس کیا تھا جیسے صبیحہ بچو نے کالج کی طرح یہاں بھی تاشفین بچو کو چھٹ کیا تھا۔ وہاں ان کے لفظوں سے جس طرح وہ اس پر کھڑی اہمو سے مسکرا کر تعریفیں سمیٹتی رہتی تھیں یہاں بھی انہوں نے ان کے لفظوں سے اظہار بھائی کا دل جیتا تھا اسے بس اچانک یہ راز معلوم ہوا تھا وہ ان کی شادی کے بعد سیکنڈ ایئر کی بکس ڈھونڈنے ان کی کتابوں کی الماری میں کتابیں منڈل رہا تھا تو ایک لفافے میں بہت سارے خطوط اس کی انگلیوں سے چھو گئے، کتنی ساری تمنائیں تھیں جو اس کی انگلیوں کے گہرے لمس میں رچ بس کر مندل کر گئی تھیں محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارنا سمندر تھا اور یہ سب طارق بھائی کے نام لکھے گئے خط تھے۔

تاشفین بچو بہت خاموش رہنے والی لڑکی تھیں ان سے اس قسم کے ایک طرفہ طور پر اظہار کی توقع نہیں تھی ان جیسی ڈوئی سہمی لڑکی سے یہ توقع ہی عبث تھی کہ وہ اتنے واضح لفظوں میں کچھ کہیں گی۔ وہ چپکے سے لفافہ اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔

طارق بھائی کی نوکری اور جنرل اسٹور سے کافی بچت ہو گئی تھی گھر کے اوپر بھی تین کمرے بن گئے تھے یہ اور بات کہ اس کے ختے میں جو کمرہ آیا تھا۔ اس میں فرنیچر کمروں والی کوئی بات نہیں تھی۔ نہ پلیٹر تھانہ ہی کوئی اور خوب صورتی ایک ساٹھ اس کا گدا اور حکم تھا کمرے میں ایک ٹیوب لائٹ تھی ایک ٹیبل اور کرسی تھی جو سیکنڈ ہینڈ اچھی حالت میں کم پیسوں میں مل گئی تھی۔ طارق بھائی اپنے دوست کے ابو کے توسط سے دہلی میں ڈرائیور کی نوکری کرنے لگے تھے حلال میں صرف دہلی کے لیے آتے تھے۔

اس نے خطوط پڑھنے شروع کیے یہ خطوط انہی کارپنوں میں لکھے گئے تھے اور خطوط کی عبارت سے لگتا تھا معاملہ دونوں طرف سے چل رہا تھا سوالوں۔ جواب دیے گئے تھے بہت پیار سے بہت ہی ادب سے۔

فک کوئی تھوڑی بات لکھی ہی نہیں تھی اس نے
 کیا شروع کیا مگر ایک لمحہ بھی ایسا یاد نہیں آئے دیا
 میں طارقی بھائی کی نظر التفات تاشفین بجو پر اور
 سے خاص رہی ہو پھر یہ سب کیا تھا۔ اس نے
 بجو کے گھر جانے کا اچانک پروگرام بنالیا تھا اماں
 نے سنا تو آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔
 ”یہ تمہیں اچانک گھر سے دلچسپی کیوں پیدا ہو
 گی۔“

”کیا ہے اماں ہر وقت ایک جیسی بے خبری کی
 بات آچھی لگے یہ ضروری نہیں۔“ اماں نے پھر کچھ
 کہا تھا ہاں بس صبیحہ بجو کے لیے خاص طور پر انہوں
 نے سوچی کے حلوے کی ٹکڑیاں اور پنے کی وال کا حل وہ
 رات کو اپاکی فرمائش پر بنالیا تھا ایک ہاٹھا میں رکھ
 رٹاں اس کے حوالے کر دیا تھا وہ منمنایا بھی تھا۔ مگر
 لگے آگے ایک نہ چلی تھی اس لیے وہ خاموشی سے
 گریا ہوا گیا تھا پھر آدھے گھنٹے بعد وہ صبیحہ بجو کے گھر
 پہنچا تو حیران رہ گیا۔

دروازہ اظفر بھائی نے کھولا تھا وہ گھر میں آیا تو صبیحہ
 کو آرام سے باہر تخت پر اپنی ساس کے پاس بیٹھے
 گھر میں بھی وہ بہت کم ہی کام کو ہاتھ لگاتی تھیں تو
 اس بھی یہی روش تھی۔

اسے عجیب سا لگا صبیحہ بجو کی ساس کی آنکھوں میں
 سے دیکھ کر اچانک شکایت آگئی تھی، مگر وہ عمومی
 رانوں کی طرح کی ایک بیٹے کے گھر چھوڑنے کے
 دو سرے بیٹے کے ہاتھوں مجبور ماں کے سوا کوئی تاثر
 دے سکتی تھیں۔ سارے گھر کا بوجھ ایک طرح
 کے اظفر بھائی کی اچھی جا ب نے ہی سنبھالا ہوا تھا اس
 بہت سی ناپسندیدہ باتوں پر بھی صبیحہ بجو کے ساتھ
 ہر دامن کرنا ان کی مجبوری تھی۔

”تم کھانا تو نہیں کھا کر آئے ہو گے۔“ بہت
 بات سے کیا جانے والا سوال انتہائی بے ڈھنگے انداز
 صبیحہ بجو نے کر ڈالا ”اظفر بھائی کے اندر کسسا ہٹ
 کی مگر وہی کے سامنے انتہائی تابع وار قسم کے شوہر
 نے کا ثبوت دے کر وہ پھر سے اعصاب ڈھیلے چھوڑ

کر بیٹھ گئے تھے اس نے اماں کا دیا گیا ہاٹ پائت بجو کی
 طرف پرھالیا تو صبیحہ بجو نے فوراً ”ہاتھ کے اشارے سے
 سے کچن کی طرف اشارہ کیا۔“

”جا کر تاشی کو دے آؤ وہ اس وقت کچن میں دوپہر کا
 کھانا تیار کر رہی ہے۔“ وہ خاموشی سے اٹھ کر کچن کی
 سمت چلا آیا۔ تاشفین بجو پسینے میں شرابور روٹیاں میلنے
 میں مصروف تھیں عجل کو دیکھا تو مسکرا کر اس کا
 استقبال کرتے ہوئے بولیں۔

”ارے بھی تم بہت اچھا کیا تم یہاں آگئے میں تم
 سے مل کر دیکھنا چاہتی تھی کیا واقعی تم بھی میری
 کیشگوری کے ہو یا نہیں۔“

”کیشگوری ہے۔“ اس نے طنز سے ہنس کر سوالیہ
 دیکھا اور وہ عجیب بے بسی سے مسکرائیں۔

”ہاں ہماری کیشگوری ہمیشہ دنیا میں سب سے الگ
 ہی ہوتی ہے بلکہ ہوتی نہیں ہے بنا دی جاتی ہے جیسے
 کلیسا کے دور میں ایک وقت میں کوڑیوں کو بالکل الگ
 تھلگ پہاڑوں میں قید کر دیا جاتا تھا ہم سوچنے والے
 لوگ بھی ایسے ہی ہیں بہت کم سراہے جاتے ہیں زیادہ
 تر حد فتنہ بننا ہی ہماری قسمت ہے۔“ لمحہ بھر کو
 رکیں پھر مکرر بولیں۔

”صبیحہ بھائی نے ہمیشہ تمہیں جس طرح ڈسکس
 کیا تھا میرا دل چاہتا تھا میں ایک بار تو اس بچے کو دیکھوں
 جو میری طرح کی اذیت انگیز زندگی جی رہا ہے کیا واقعی وہ
 یہ زندگی ڈرو کر رہا ہے۔“

”پھر کیا پایا آپ نے۔“ اس نے سنجیدگی سے
 سوال کیا اور وہ مسکرائے لگیں۔ پھر گہرا سانس لے کر
 بولیں۔

”میرے خیال میں ہم ایسی ہی زندگی کے مستحق
 ہیں، ہم جو چاہو سی نہیں کرتے کسی اور کے دماغ کی
 سوچی ہوئی بات کو یک فلم اپنا نظریہ نہیں بنا لیتے کسی
 بھی نئی بات کو ماننے کے لیے دلیل چاہیے ہم جو کھلا
 باتوں کو عملاً ”زندگی میں گزارنا چاہتے ہیں ان باتوں کو
 ہوتے ہوئے دیکھنے کے خواب دیکھتے ہیں اور خواب
 دیکھنا آسان کام تو نہیں خوابوں کا راستہ ہمیشہ خارزار اور

مکمل سے ہو کر گزرنا ہے موبہم اسی کے مستحق ہیں۔
ہم پر بیٹھ رہا ہے۔

اس نے پوری توجہ سے انہیں دیکھا اس کے اندر
جیسے ایک ایک لفظ شدت کا ہاتھ پکڑے خود کو شدت
کے باوجود صبر کے بندھن سے بندھ کر اندر دل کی
یڑھیاں اترنا چلا گیا۔
وہ واقعی ٹھیک کتنی تھیں زندگی میں سوچنے والے
بہت کم خوش ہوتے ہیں۔

اور بقول شفق بانی ہم جیسے لوگ جن کے ذہن
میں نہیں رکھے ہوتے ہم لوگ حوالی دیکھتے ہی نہیں
ہیں ہم لوگ پیدا ہوتے اور ایک دم پر حاپے کی دلیزیر
آن بیٹھتے ہیں۔

اور ہم میں سے کچھ لوگ جو تخیل کی پرواز تیز رکھتے
ہیں وہ تو پیدا ہی ہو رہے ہوتے ہیں انہیں جو کئی کی
ترتیب چھوٹی بھی نہیں ہے اور ملنے والے ان پر مختلف
لیک لگاتے چلے جاتے ہیں۔ سکی ۲۱ جی پاگل۔

”سوچنے والے دلغ ہمیشہ پاگل خالے ہی کیوں آباد
کرتے ہیں دنیا میں کوئی بھول کیوں کھلانے کا کام نہ
ان سے سرزد نہیں ہوتا۔“

اس نے سوچا اور جو بات کہنے سننے آیا تھا کہ بغیر گھر
والہیں لوٹ گیا عاتشہ خالہ اسے روکتی رہ گئیں مگر
صمیمہ بچو نے ان کا ساتھ اتنی بے دلی سے دیا تھا کہ دور کا
ہی نہیں گھر آکر اس نے اپنے اندر اٹھنے والے سوال کو
پھر سے اپنے اندر دوہرایا۔ پھر اس نے بہت سی کتابیں
کھنگالیں اور ایک بہت سمجھ آئی۔

بہت کم سوچنے والے ایک فرد سے تبدیلی کا ممکن
الفاظ تھے ہمیشہ ہر شخص نے ہر دور میں سارے
معاشرے کو یک دم سے تبدیل کرنے کی مہم جوئی
اختیار کی بہت کم لوگ تھے جو کامیاب ہوئے اور بہت
زیادہ لوگ تھے جو اس مہم جوئی میں کام آئے ان کی
سوچ ان کے بہت بعد میں سزا ہی تھی۔

آپ جب بہت بولتے ہیں تو بہت کم سنتے ہیں اور جو
کم سنتا ہے وہ بہت کم بول پاتا ہے ہمیشہ سمجھنے والے
خاموشی میں گنگنااتے ہیں اور جو اس خاموشی کے سر کو

سمجھ لیتے ہیں وہ بہت کم بے تمل ہوتے ہیں ایک
فرد؟ کو شش ہمیشہ ہندسوں کی بہت ساری اکائیوں
سے ہٹ کر ہمیشہ ”ایک“ سے شروع ہوتی ہے اور جب
اور کھرب بھی اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں
پہنچائے جاسکتے جب تک صفر کے بعد ایک کا ہندسہ نہ
شروع کیا جائے۔

ہمیشہ وہ سوچتا آیا تھا لیکن آج کچھ کرنے کی امنگ
اس کے دل میں ٹھاٹھیں مارنے لگی تھی طارق بھائی
پندرہ دن بعد آنے والے تھے اور اس نے ان کے
آنے سے پہلے کسی کے لیے ہوم گر اوٹڈ تیار کرنا تھا۔

اب وہ ایک دن چھوڑ کر تاشفین بچو سے ملنے کے
بہانے صمیمہ بچو کے گھر چلا جاتا تھا مگر ابھی تک موقع
نہیں ملا تھا کہ وہ کوئی ڈھنگ کی بات کر پاتا پھرا چاٹک
ایک دن اسے یہ موقع مل ہی گیا عاتشہ خالہ چھوٹے
عمار کے ساتھ لاہور ایک شادی میں گئی ہوئی تھیں
بظاہر انہیں گئے تو ایک ڈیڑھ ہفتہ ہو گیا تھا مگر اظفر بھائی
اور صمیمہ بچو کو ایک بزنس پارٹی میں جانے کے لیے ان
کے گھر کی یاد آئی تھی اظفر بھائی تاشفین بچو کو چھوڑ کر
پارٹی میں شرکت کے لیے رخصت ہو گئے تھے انہوں
نے کھانا کھا لیا تھا پھر شام کی چائے لیے وہ دونوں چھت
پر چلے آئے تھے۔

تاشفین خالہ میں دیکھ رہی تھیں مگر ان کے چہرے پر
دل کی تمنا اتنی واضح تھی کہ زندگی کی باتیں خود بخود
ہونے کو ترستی تھیں وہ انہیں کچھ دیر دیکھا رہا پھر آہستگی
سے بولا۔

”آپ کو کسی نے بہت آسانی سے چھٹ کر لیا ہے نا
بچو۔“ تاشفین کی آنکھوں میں ایک لمحہ آکر ٹھہر گیا
تھا مگر وہ اب بھی کچھ نہیں بولیں۔

”آپ۔۔۔ یہ وضع دار اور محبت سے چور لوگ۔۔۔ اس
نے کتنی سے انہیں دیکھا پھر تے میرے سے بولا۔

”صمیمہ بچو سنو آپ کے ساتھ ہمیشہ کی طرح یہ تم کیا
ہے نا انہوں نے کچھ خطوط دیے ہوں گے جن کے
جواب آپ نے اپنے رنگ میں لکھے اور انہوں نے
آپ کے لفظوں سے اپنے دل کی بازی جیت لی آپ کو

نہایتی نہیں چلا ہو گا کون قیامت کی جال چل گیا
بہا چلا ہو گا تو بازی آپ کے ہاتھ سے نکل گئی

تاشفین کچھ نہیں بولیں۔ بھاپ میں کہیں ان کا
سب گیا تھا اس نے ایک لمحے کو نظر اودھرا دھر کی
تاشفین پر گاز کے بولا۔

پلیز بچو مجھے یہ آنسو غنیمت جھیلنے والے لوگ
ت زیادہ اچھے نہیں لگتے کوئی بھی جذبہ ہو توازن میں
اچھا لگتا ہے صبر کی انتہا سامنے والے کو ظالم بنا دیتی
اور یہ اس شخص سے بھلائی کا برتاؤ نہیں آواز اٹھانا
موجو آواز اٹھانا سیکھو۔

”ہماری آوازیں ہمارے گلوں ہی میں مرجانے کے
ہی ہیں عجی۔ تمہیں نہیں پتا ایک دفعہ آپ
بے کسی حق سے دستبردار ہو جائیں تو سب کو لگنے لگتا
ہمیشہ یہی رویہ ان کا حق ہے اگر کبھی جو کسی بات پر
راج کرنے کی جرات بھی کر بیٹھیں تو یوں محتوب
راہے جاتے ہیں جیسے کوئی دیوتا انسان ہونے کا رنج
پیشے اور پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ ایسے افراد کو منانے
خیال تک کسی کے دل میں نہیں آتا یوں جیسے ہر
”ان کے لیے سوغات جیسا ہی ہے انہیں ہر چیز
پرداشت کرنی ہے یہی ان کے ہونے کی سزا ہے۔“

عجیل احمد تاشفین کو دیکھنے لگا وہ اور تاشی بچو
ان ایک ہی کشتی کے سوار تھے مگر کسی ایک کو گناہ
ی چاہیے تھا!

اس نے چائے کا کپ چمکت کی منڈیر پر رکھا پھر
تاشی سے بولا۔

”آسیہ آپ کی کیسی دوست ہے؟“ تاشفین نے
کک کر اسے دیکھا پھر تاشی سے بولیں۔

”آسیہ میری نہیں صبیحہ بھابی کی دوست تھی وہ
ان ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔“

عجیل احمد پھر بولا۔

”کیا آپ کو معلوم ہے آسیہ بچو کے گھر صبیحہ بچو
لے اظفر بھائی کے خطوط آیا کرتے تھے ان کا
مرانہ بہت لمبا ہے وہاں ایک دوسرے کی ڈاک نہیں

چیک کی جاتی ٹیوشن انٹرنیٹ ٹیوشن میں ان کے میل
اسٹوڈنٹ بھی دوست تھے اس لیے یہی روشن خیالی بچو
کا کام آسان کرتی رہی۔ کیا آپ کو معلوم ہے وہ خطوط
جو آپ کے اظفر بھائی بچو کو بھیجتے تھے وہی خطوط بچو نیڈ
گھر کے آپ کو طارق بھائی کی جھوٹی محبت کی داستان
کے ساتھ ارسال کرتی رہی ہیں لفظ آپ کے تھے اور
اظفر بھائی الگ مزاج کے بندے ان لفظوں کی خوب
صورتی کے اسیر ہو گئے ہمیشہ کی طرح انہوں نے آپ
کی ذات کو استعمال کیا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے۔“

تاشفین کتنی دیر عجیل احمد کو دیکھتی رہیں ان
جیسی ساوہ مزاج لڑکی یہ سوچ ہی نہیں سکتی تھیں کہ
محض ان کی دوستی کا دم بھرنے والی لڑکی ان کے گھر میں
اس طرح چور دروازہ ڈھونڈ نکالنے کی مہم میں جتنی ہوئی
تھی صبیحہ کیا اس کا تو بھائی تک ان سے مخلص نہیں تھا
وگرنہ یہ خبر یوں نہ چھپاتا اپنی پیار بھری بات جس پر
بہنوں کے دل خوشی سے جھوم جاتے ہیں کیا وہ خوش
نہیں ہوتیں شاید صبیحہ نے اظفر سے کہا ہو گا تاشی
اس کے اور اظفر کے تعلق کو اچھی نظر سے نہیں
دیکھتی وہ ان دونوں کو ملانے کی بجائے انہیں الگ
کرنے کا کوئی بھی کھیل کھیل سکتی ہے اور اس کا بھائی
خاموشی سے یہ نکتہ مان گیا ہو گا۔

ان دنوں وہ گھر والوں کی پریشانیوں بڑی بھابی کی
ریشہ دوانیوں اور مظفر بھائی کی بحرمانہ خاموشی سے یوں
ہی چڑی رہتی تھیں ایک ادھیارا نہیں یاد آنے لگا تھا کہ
اظفر نے صبیحہ کے متعلق بات شروع کی بھی تھی اور
انہوں نے اس کی بات رد کر دی تھی فطری بات تھی وہ
اپنے ٹوٹنے والے گھر میں مزید کوئی شگاف ڈالنے کی
کیسے ہاں بھر سکتی تھیں ان دنوں انہیں ہر لڑکی جو بھابی
بنائے جانے کے خیال سے ذہن میں آتی یک دم سے
اپنے گھر کی دشمن لگنے لگتی تھی کتنے بہت سے لمحے تھے
جو ایک کے بعد ایک انہیں یاد آ کر رہ گئے تھے وہ کتنے
دنوں سے بے وقوف بنائی جا رہی تھیں اور ان کی سمجھ

ان کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی بھر آیا پہلے ایک

”نہیں مجھے بھیک میں ملی محبت قبول نہیں میری عزت نفس یہ گوارا نہیں کرے گی۔“
عجیل احمد تاشقین کو ہراہنے والی نظروں سے دیکھنے لگا پھر آہستگی سے بولا۔

”طارق بھائی کا دل کورے کاغذ کی طرح ہے بھو پسندیدگی تو شاید ان کی زندگی میں بہت سی لڑکیوں نے حاصل کی ہوگی مگر آج تک محبت کا دم انہوں نے کسی کا نہیں بھرا پھر یہ بھیک میں ملی محبت کیوں ہو گئی آپ دل میلا مت کریں اور اپنے بھائی پر اعتماد کریں چال چلتا تو ہمیں بھی آتا ہے۔“

وہ کچھ نہیں بولیں اور یہی ان کی خاموش رضامندی تھی پھر بھائی کا کام عجیل احمد کا تھا گو وہ بہت چھوٹا تھا لیکن صبیحہ بھو سے کبھی کبھی وہ بے دھڑک دل کی بات کر ہی لیا کرتا مگر اس نے یہ خیال ظاہر کیا تو صبیحہ بھو پہلی ساعت بدگئی تھیں جب اس نے ایک آنکھ دبا کر سازشی انداز میں سمجھانے کو کہا۔

”بھو آپ میری بات نہیں سمجھ رہیں، ورنہ اپنے حق میں کی ہوئی بات پر آپ اتنا بدگئی نہیں۔“

”میرا کیا فائدہ ہے اس بات میں سے؟“ صبیحہ بھو سادہ عمر دو اور دو چار کی جگہ دو اور دو پانچ گھنٹے کی عادی تھیں اس لیے فوراً ”تاجر انہ انداز میں متوجہ ہو کر سوالیہ انداز میں بولیں اور بس یہ کام اس کے لیے نہایت آسان ہو گیا سو وہ پلان بنانے کو دھیمی آواز کر کے بولا۔

”مسید ہی سی بات ہے بھو ابھی شروع کے مراحل اظفر بھائی آپ کی ہر جائز ناجائز بات ماننے کو تیار رہیں گے لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کبھی وہ آپ سے اپنا عزائم بدل لیں۔“

”خدا غارت کرے تجھے کیوں بد فال نکال رہا ہے عجی۔“ وہ تڑپ کر بولیں اور وہ کچھ اور سگاہن کر بولا۔

”یہ بد فال نہیں ایک خیال ہے جو عموماً ”ننانوے“ عید شادیوں میں ایلانی ہوتا ہے۔ پھر پھر ایسے میں لڑکے بے دست دیا ہو کر مجبور سی ہو جاتی ہے لیکن اگر تاشقین بھو کی شادی طارق بھائی سے ہو جائے تو اظفر بھائی بہر

خیال تو ہاتھ میں تھا کہ وہ طارق کے دل میں کہیں نہ کہیں ہیں ان کے لکھے لفظ تھالی میں چکھن بن جاتے تھے ایسی تسلی اور دھارس دیتے تھے ”میں ابھی جھپس رہا نہیں سا مگر تلاش معاش سے جب بھی قطع کر ایک گھر بنانے کا خیال دل میں موجزن ہوا تو تم ہی میرے ہراہ رہو گی۔“

اتنی بڑی انہ دنیاؤں میں اپنے نام کی فتنی والی ایک عمارت کھینچنے کی انہیں جن مگر گھر بنتی ہے پھر پھر جوڑ کے دیکھو

میں نے بھی آگ گھر بنایا رنگوں پھولوں تصویروں سے اس کو سجایا

دروازے کی لوح پہ اپنا نام لکھایا لیکن اس کے ہر کمرے میں تم رہتے ہو!

کد م وہ اسی کیفیت میں چلی گئی تھیں اور ارد گرد بہت سارے لفظ اس نظم کا ہاتھ تھامنے ان کے اندر جھٹکنے لگے تھے۔

”لیکن اس کے ہر کمرے میں تم رہتے ہو۔“ انہوں نے اس نظم کو پڑھ کر کتنی بار آنکھیں سے نظریں چرائی تھیں، مگر اب ان دنوں تسلی لگا کرتی اور خواب کھتے رہتا صرف اپنا حق محسوس ہوتا۔ مگر آج آج کتنی باتوں سے پردہ ہٹ گیا تھا واقعی بے خبری جنت ہے مگر اب ان کے پاس کیا تھا؟ انہوں نے خالی ہاتھ اپنے آگے پھیلا لیے۔

”ان ہاتھوں میں کوئی چیز نہیں نکلتی کہاں کہتی تھیں تمہاری ہاتھ میں تو چھید ہے جیسے نہیں رکتا۔“ انہیں اپنے اور بھی آئی اور دل چاہا وہ انہ کو جا کرتا میں واقعی ان کی ہاتھ میں چھید ہے اس میں چھید تو کیا کچھ بھی نہیں نکلتا۔

”محبت تو کتنی ظالم ہے تجھے ذرا ترس نہ آیا ہے؟“

دل نے دھکی دی اور عجیل احمد نے تاشقین کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”بھو پہلے جھوٹ تھا وہ میں سچ کر کے رہوں گا بھو۔“

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

کمر اڑانے کے خوف سے آپ کے سامنے اونچی
توازی میں نہیں بول سکتے اور عائشہ خالہ وہ بھی آپ کی
سلی میں رہیں گی آپ دن کہیں گی تو دن کہیں گے
سب آپ رات کہیں گی تو سب رات اوڑھ کر سو
جائیں گے۔

صبح بچہ کی یکدم آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ عجیل
اور کاظم پورا ہو گیا تھا اب اس مقدمے کی پہلی سماعت
میں ہی فیصلہ عجیل احمد کے حق میں ہی ہونا تھا اسے
جین تھا سچ بہت مختلف سوچنے والے عجیل احمد نے
بہت عام طریقے سے بات کہہ کر میدان جیت لیا تھا
کن میں کلمہ دیتی ہیں لیکن یہ بھی غلط تھا کہ وہ کتابوں
کے چکر میں پڑ کر انسان سے دور ہو گیا تھا ہر چیز توازن
پر مبنی ہے اور یہ توازن اسے برقرار رکھتا تھا سوطارق بھائی
کے آتے ہی اس کی کسی بات کے پیش نظر خود صبیحہ بچو
نے پہلے انظر سے اس رشتے کی بات کی تھی اور پھر وہاں
سے معاملہ اوکے ہو گیا تو اپنے گھر میں یہ مقدمہ شروع
کیا پہلی پیشی پر بات تاشفین بچو کے حق میں رہی تھی
طارق بھائی کے ذہن میں شادی کے لیے صرف ایک
سی فارمیٹ تھا لڑکی دیکھنے میں اچھی تو ہو لیکن گھر
بہانے والی ہو، سو جو اب اضافی خوبیوں کی بات چلی تو ان
کو انکار کیوں ہوتا شادی کی تیاری ابمر جیسی میں ہوئی
تھی تاشفین ایک مہینے میں ہی اس کے گھر آگئی تھیں
طارق بھائی اور وہ بہت خوش تھے اور انہیں دیکھ کر
وہ بھی خوش تھا اب اور اس کے بدلے ہوئے روئے
پر حیران تھے وہ جو گھر سے بھاگنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا
اب گھر میں رہنے کے بہانے تلاش کرتا تھا اور تاشفین
بہت اسے آشکر سے دیکھتیں جو صحبت لفظوں میں کبھی
نکلی تھی وہ صحبت اب پورے استحقاق سے ان کی
بھولی میں تھی رہا شارق انڈر نائنشن میں کھیلتے کھیلتے
بہت جلد قوی ٹیم میں شامل ہو کر ہمیشہ دورے پر ہی
رہتا تھا تعلیم اس نے درمیان میں ہی ادھوری چھوڑ
دی تھی زیادہ وقت کھیل ہی میں گزر جاتا تھا اس لیے وہ
کام مکمل نہیں کر سکا تھا۔ اب کو شکایت تو ہوئی تھی
لیکن اس کی آتی ہوئی آمدنی اور کرکٹ کی وجہ سے ملنے

والی اچھی نوکری نے سارے عیب چھپا لیے تھے یہاں
تو وہ ابھی تک اسٹرنگل کر رہا تھا تعلیم میں اچھا تھا مگر
ابا کو پھر بھی لگتا تھا ان کی اولاد میں سب سے کمزور کوئی
ہے تو وہ صرف عجیل احمد ہے اسے نہ دنیا کرنی آتی
تھی نہ دین کے بارے میں کچھ جانتا تھا بس مرے
ہوئے ”سنکیوں“ کی اول قول پڑھ کر کچھ کراچی
زندگی کے گولڈن پیرڈ کو بھول کر رہا تھا بات یہاں تک
رہتی تو قابل قبول تھی لیکن جب اس نے ماس
کیونیکیشن میں ایم اے کے ساتھ ساتھ ایک این جی
ایو بھی جو اس کی تو ابابو پکا یقین ہو گیا کہ ان کا یہ بیٹا ہاتھ
سے نکل گیا ہے فارغ وقت میں وہ اپنے ایک دوست
کی ایڈورٹائزنگ کمپنی کو بھی وقت دینے لگا تھا سو گھر
میں اس کی آمد بہت غیر متوقع رہتی تھی۔

وہ جب گھر سے نکلتا اکثر لوگ خواب خرگوش کے
مرے لوٹ رہے ہوتے اور جب گھر میں داخل ہوتا تو
صرف تاشفین کے علاوہ کوئی جاگ نہیں رہا ہوتا اس
نے کتنی مرتبہ منع کیا تھا وہ اس کے لیے خیر مت
خراب کیا کریں گھر ایک ہمنوا ہونے کی سرخوشی میں وہ
بھاگتی رہتی تھیں اور وہ تھا۔ ایک پہچان کی خواہش میں
مارا مارا پھر تاشفین پہلے تو برداشت کرتی رہیں پھر ایک
دن اسے اچانک جالیا۔

”الگ سوچنے کا مطلب یہ تو نہیں انسان سب سے
الگ ہی ہو جائے۔“ عجیل احمد جو ٹیبل پر بیٹھا کچھ
لکھ رہا تھا چونک کر دروازے کو دیکھنے لگا سہانے
تاشفین کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔
”آپ! آج بھابھی بیٹھے تاشفین“ اس نے فلور
کشن کی طرف اشارہ کیا۔ اب اس کا گھر کچھ کمزور لگتا
لگا تھا۔ نئے پردے کریم کالر کا پینٹ ایک فوم کا گداج
بچھا تو زمین پر ہی رہتا مگر جس کی بیڈ شیٹ تاشفین
جو تھے روز لازمی بدلتی کیونکہ وہ بہت کم صفائی کا خیال
رکھتا کبھی گندے پیر لے کر چڑھ جاتا کبھی طارق بھائی
کے بچے خود اس کی بیڈ شیٹ پر نقش نگار بنا لیتے اس
المانی میں کپڑے بھی ہر وقت اسے سلیقے سے
لگے تھے ہر روز ایک سوٹ لیگر میں استری شدہ ملنے

تھلا رہا۔ سب جس کے مڑوا ہوا منت تھا اس کو مسکرا کر دیکھا اس کا حق بننا تھا ماشفین کلون کشن پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگیں پھر کتنی ساعتوں بعد انہوں نے پوچھا تھا۔

”آج کل کیا مصروفیات ہیں تمہاری کچھ خبر ہی نہیں دیتے۔“ اس نے قلم اٹھانے میں لگایا پھر ہنس کر بولا۔

”صرف آپ کو ہی احساس ہوتا ہو گا میرے نہ ہونے کا اور نہ گھر کے بقی لوگ تو عافیت سمجھتے ہوں گے کہ میں گھر میں نہ ہی ملوں تو اچھا ہے۔“

”کیوں اس مت کرو گھر کا ہر شخص تمہیں مس کرتا ہے یہ اور بات ہر ایک کے اظہار کا طریقہ الگ ہے اہل سخت ست سنا کر تم پر اپنا حق جتاتی ہیں تو ابانے میں حق چلا کر اس اظہار کو ضروری سمجھتے ہیں ویسے نئی کی مصروفیات اختیار کر لی ہیں کہ رات کے تین بج چلتے ہیں نہیں۔“

اس نے مچل پر رکھا ایک نیا نکتے والا اخبار دکھایا اس اخبار کا چرچا ماشفین نے بھی سن رکھا تھا سو چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

”اس کا کیا مطلب ہے۔“ اخبار سامنے لہرایا تو وہ کارا اڑا کر بولا۔

”اس کا سیدھا مطلب ہے میں اس اخبار میں سب اچھے برے بن گیا ہوں کالم نگاری الگ ہے سو اس لیے وقت بہت شارٹ ہو گیا ہے کبھی کبھی تو میں خود سے بھی نہیں ملتا۔“

پوچھان پانے کی خواہش اسے کتنا دوڑانے لگی تھی الگ سوچنا سب سے ہشہ کر زندگی گزارنے کی عادت اب اس کے خون میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ وہ اور سب کی طرح جینے کا انداز سیکھنا بھی چاہتا تو نہیں سیکھ سکتا ماشفین اسے ابھی بھی دیکھ رہی تھیں پھر یکدم انہوں نے اس پر ایک نیا سوال اٹھایا۔

”تم نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو۔“

”کیا ہو گیا ہے بھابھی آج آپ لہا کی ٹون میں کیوں بولنے لگی ہیں۔“ وہ ہنسا مگر ماشفین کی عجیبگی میں کوئی

کمی نہیں تھی انہوں نے دوبارہ سے پوچھا تھا۔ ”دنیا میں انسان کتنا بھی الگ زندگی گزارے لیکن محبت کا مذہب ایک ہی ہوتا ہے۔ محبت ہمیں سکھاتی ہے زندگی کرنا وصل میں اور ہجر میں خوشی کرنا محبت سب سکھاتی ہے مگر محبت کا اہم اہم جاننے والے کیا اس محبت کے خالق کو بھول جاتے ہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے ماشفین کو دیکھا پھر آہستگی سے بولا۔

”یہ بات میں نے آج تک کسی سے شیئر نہیں کی لیکن یہ میری سوچ ہے کہ مجھے اللہ کے پاس خواہشوں کے عوض جانا اچھا نہیں لگتا میں نہیں چاہتا میں اللہ کی عبادت اپنے کسی ذاتی فائدے کی بات کے تحت کروں مجھے اللہ سے صرف بے غرض محبت کرنا اچھا لگتا ہے۔“

”یہ تو ویسی ہی دلیل ہے میں روزے میں جھوٹ فریب کالم گلوچ سے نصیحت سے نہیں بچ سکتا اس لیے روزہ بھی نہیں رکھتا۔“

”حقیقت میں تو یہ بات کچھ غلط بھی نہیں ہے۔“ عجیل نے تائیداً کہا تو خفگی سے اسے دیکھنے لگی پھر بولیں۔

”کیس تم ہر چیز کو لاجب کے تحت سمجھنے کی خواہش اللہ کو بھی اسی طرح کی دلیل کے تحت تو نہیں جانتا چاہتے۔“

وہ کچھ نہیں بولا پھر آہستگی سے بولا۔ ”لوگ کہتے ہیں انہیں اللہ سے محبت ہے لیکن میں چاہتا ہوں اللہ مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے یہ جانوں۔“ ”جان لینے کے لیے انسان کو ذات کے اندر اترنا پڑتا ہے تم نے اندر اتر کر دل کو ٹٹولا۔“

”کبھی فرصت نہیں ملتی۔ بس میرا خیال ہے یہ کام منہسی خیزی کے ساتھ یک دم ہو جاتے ہیں اور آپ تو جانتی ہیں ہم سکی لوگ اپنی باتوں کے لیے اپنی سوچ پر اپنی عمر کو ختمی گنوا دینے کے عادی ہیں۔“ ماشفین نے کچھ نہیں کہا۔

دوسرے پھر سے اپنے کام میں لگ گیا گھر میں کیا ہو رہا

ہے کیا ہیں اس نے وہ بیان دینا چھوڑ دیا تھا اپنی این جی
لو اور اخبار کی مصروفیت کے تحت وہ بھاگا پھر رہا یہاں
تک کہ ایک دن وہ تھک کے رکا تو اس کے اندر شفق
بہنی کی بات اڑتی پھری۔

”انسان تیز چلے یا آہستہ دونوں حالتوں میں اکیلا رہ
جاتا ہے۔“ آج وہ کمرے میں اپنے بستر پر لیٹے ہوئے
خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا تھا۔

جس انسان سے اللہ محبت کرتا ہے اسے دل دیتا
احساس بخشتا ہے پھر چاہتا ہے لوگ اس کے اس
احساس سے زندگی کشید کریں انہیں اس سے فیض
ملے جو دماغ دیتا ہے وہ چاہتا ہے اس کی دی گئی سوچ
کتنی ہی غنقا ہونے کے باعث مورد الزام ٹھہرے یہ
سفر کے نہیں بظاہر سوچ کا سفر ہمیشہ رائیگاں دکھائی دیتا
ہے خواب دیکھنے والے مقلد دیکھتے ہیں یا دیر انوں میں
اکیلے سچ سچ کر مر جاتے ہیں مگر اکیلے ویرانے میں مرنے
والے ذہن مرنے کے بعد بھی اپنے خیالات میں زندہ
رہتے ہیں مقلد میں جانے والوں کی ادا دتوں یا درہتی

ہے۔
رائیگاں سفر بھو گئے والے بھی کہیں نہ کہیں کسی کا
انتظار ہوتے ہیں۔ دنیا میں یہ انتظار بھلے کوئی وصل کی
مدھ نہ چھک سکے مگر عقلی میں کوئی ہے جو دونوں ہاتھوں
سے آپ کوثر پانے کی تمنا رکھتے ہیں جو اپنی امت میں
سے نظر کرنے والوں پر محبت کی نظر رکھتے ہیں دنیا
جنہیں سن کر پاگل احمق قرار دیتی ہے وہ ان کی ایمان
واری وفاداری محبت کے سلوک پر ہر موقع پر ان کا
ہاتھ تھامنے کو تیار رہتے ہیں۔ مگر یہ اس وقت ہونا جب
انسان پڑھے گئے علم کو ظلم دینے والے کی راہ کار زوق
خیال کر کے اترا ہٹ کا شکار نہ ہوت

اگر محض پہچان کی بات ہو پھر انسان کے لیے کوئی
راہ نہیں بچتی ہاتھ تھامنے والا ہاتھ تھامتا رہے اور ہم
پھر بھی اس کی محبت کے امتحان لینے بیٹھ جائیں تو؟
نہالی اقلہ تنہالی کو مقدر بننے سے کوئی کیسے روک سکتا
ہے۔
وہ بھی آج اسی مول پر کھڑا تھا بہت سا دوسرے کا

پڑھا گیا سبق اسے بھول گیا تھا اس نے اسنے ہاتھ پر
پھیلائے تھے تو محض اس لیے کہ وہ چاہتا تھا اس کے
ماں باپ پر اس کی دھاک بیٹھ سکے کہ گورنمنٹ اسکول
سے پڑھنے کے باوجود ہر آسانش سے خود کو بچانے کے
باوجود وہ ان کی ساری اولاد میں سب سے زیادہ کامیاب
تھا۔

اسے اپنی کامیابیاں اتنی عزیز تھیں کہ پھر اس کے
زندگی میں کیا کی رہ گئی ہے تک کا سوال اپنے اندر
نہیں اٹھنے دیا تھا بلکہ موتی حلقوں میں وہ اچھی ریوینشن
رکھتا تھا بہت دل سے عوام میں پڑھا جاتا لوگوں کی عام
لوگوں کی آواز اونچے اونچوں میں پھیلانے کا بیڑہ اٹھا رکھا
تھا اس کے ارد گرد اس کی شخصیت کے لیے اتنی واہواہ
تھی کہ اسے آنکھ بند کرتے بھی صرف اپنی ذات دکھائی
دیتی تھی اور آنکھ کھلنے پر بھی اسے سرائے نظر نہ سرتی
تھی وہ اپنے وجود کے ارد گرد ہی گھوم رہا تھا اور سمجھنے لگا
تھا اس نے دنیا فتح کر لی ہے اسے محسوس ہوتا تھا اس
کے ساتھی اس کو پڑھنے والے اسے سراہتے تھے تو
اسے واقعی محسوس ہوتا کہ زمانے کے سینے میں ہم
دھڑکتے ہیں۔ مگر آج اسے عجب سا جھوٹا لگا تھا اس کے
ہاتھ میں سب کچھ تھا مگر محبت نہیں تھی اللہ نہیں تھا
جو برسوں پہلے کا ایک عجمی ہوا کرتا تھا آج اپنے کمرے
میں افسردہ لیٹا تھا۔

کل اس نے چلتے چلتے جس طرح شارنگ بھائی کی
بہت کی ہونے کی رسم کے بارے میں سنا تھا تو ایک
لکھے کو اس نے دیوار کو تھاما تھا۔
کیا واقعی وہ ان کی زندگی میں کہیں نہیں رہ گیا تھا؟
اسے کسی نے نہ بتایا تھا نہ اس سے کوئی رابطے کی تھی
کہ وہ ہونے والی بھابھی کے لیے کوئی تمنا رکھتا ہے یا
نہیں وہ سب آپس میں بے حد مصروف تھے اور مگر
شائزہ اور سچے ایک دوسرے کے لیے تھے اور وہ خود؟

وہ اماں اور بابا کی نظر میں ابھی تک کوئی مقام نہیں بنا
پایا تھا ان کی نظر میں وہ ابھی تک 8th کا اس میں
پڑھنے والا عیجیل احمد تھا جس سے خیر کی توقع انہیں
ہرگز نہیں تھی۔ اس نے چلتے چلتے کوئی کھا چادر اپنے

نور سے اتاری رات چار بجے گھر آیا تھا اس لیے اس وقت باہر بجے اٹھا تھا۔ واش روم سے فارغ ہو کر بالوں کو تولیے سے خشک کرنا وہ بیڑھیاں اترتا بیچے آیا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا اس کا اتنی تھلکی سے دل لٹنے لگا تھا مگر کچن میں کھٹ پٹ کی آواز سن کر اس کی جان میں جان لگی تھی۔

تاشفین بھابھی کا خیال اسے ایک بار پھر سے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا مگر جب وہ کچن میں داخل ہوا تو تاشفین بھابھی سوں سوں ٹاک کی ساتھ کام میں ایسے لگی ہوئی تھیں جیسے کسی سے دست بدست ہوں۔
”خف پٹ آج دشمنوں کا موڑ کیوں خراب ہے۔“
خود بخود لہجہ شیریں ہو گیا آج اسے ساری پرانی باتیں یاد آ کر تیار رہی تھیں۔

پرانی باتیں یاد آنا اچھی علامت تو نہیں ہے اس کے شعور نے اسے نوکا مگر آج اسے سب کچھ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ کوئی بھی بات اس نہیں کر سکتی تھی چھت کی طوالت چائے کے کپ اور تاشفین بھابھی کا چہرہ وہ یکدم پھر سے لوٹ آیا تاشفین اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے پستے سے زیادہ خاموڑ میں بیٹھیں۔
”آخر جو کیا گیا ہے آپ کو آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہیں۔“ اس نے انہیں کندھے سے تھام کر پوچھا اور تاشفین کی آنکھوں سے آنسو پھلک کر باہر آگئے وہ کتنی دیر اسے غصے سے دیکھتی رہیں پھر چر کر بولیں۔

”آپ نے اچھی میری زندگی غذاب میں ڈال دی۔“

”کیا مطلب نیا کیا ہوا۔“ وہ کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا اور وہ چولہے میں رکھی چٹائی میں مسالا بھونٹے ہوئے پستے سے زیادہ سخت لہجے میں بولیں۔

”طارق باہر رہتے ہیں لیکن صبیحہ تو کراچی میں ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے مجھے ستانے آجاتی ہیں ابھی شارق بھائی کی شادی نہیں بھی وہ مجھے کسی بھی طرح کا حصہ لینے نہیں دے رہی ہیں کہ یہ حق صرف ان کا ہے پچھلے ماہ طارق نے جو میرے اور بچوں کے

لیے کچھ چیزیں بھجوائی تھیں وہ بھی انہوں نے اپنی اور اپنے بچوں کے لیے اٹھا کر رکھ لیں۔ کہتی ہیں وہ ان کا بھائی ہے اس لیے پہلا ان کا حق بنتا ہے۔“ وہ منہ کھولے انہیں دیکھتا رہا اس نے تو ایک پلان کے تحت کما تھا یہاں تاشفین کی شادی صبیحہ بھجے کے لیے گولڈن ٹائم دے گی مگر اسے تاشفین کی زندگی کے اس سرخ کی توقع نہیں تھی۔

وہ سمجھتا تھا وہ طارق کو ایک باپ اپنی مٹھی میں کر لیں تو پھر صبیحہ بھجے کی کوئی بھی چال کار کر نہیں ہو سکتی مگر یہاں ٹیم الٹ گیا تھا۔

”آپ نے ابھی تک قدم نہیں جمائے ہیں تو سمجھتا ہوں آٹھ نو سال میں بندہ کسی کی پراپرٹی پر قبضہ کر لے تو اصل مالکوں تک کو زمین چھڑوائی مشکل ہو جاتی ہے یہاں آپ اپنی زمین کو پیروں تلے نہیں جما سکیں۔“
تاشفین نے اسے دیکھا پھر روکھے کنبے میں بولیں۔
”طارق میری قدر کرنے والے ہیں لیکن صبیحہ بھابھی مجھے نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں طارق کہتے ہیں صبر کرو ناشی مگر اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ تمہیں پتا ہے کل سے عمیر کتنی مرتبہ ضد کر چکا ہے اپنے نوائے پارسل مانگنے کی میں اب اسے کیا بولوں کچھ نمونوں کی تو اماں کو بہت برا لگے گا۔“ وہ خاموشی سے کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا پھر سنجیدگی سے بولا تھا۔

”اماں کہاں ہیں۔“ تاشفین نے اسے خوف سے دیکھا تھا۔

”پلیز عجبی اماں سے کچھ مت کہنا وہ پتا نہیں میرے بارے میں کیا سوچیں۔“

”ایک منٹ یہ گھبراتا چھوڑ دوں آپ سے مجھے ڈری بھی لڑکیاں بالکل اچھی نہیں لگتیں بے فکر رہیں آپ پر آج نہیں آنے دوں گا۔“ وہ کچن سے نکلتا چلا گیا مگر چلتے چلتے یک دم ساری دنیا اس کے سامنے گھوم گئی تھی وہ کتنی دیر تک دیوار پکڑے کھڑا رہا تھا۔ بلند بلڈ پریشر اسے ہمیشہ سے رہتا تھا لیکن کبھی اس طرح شوٹ نہیں کرتا تھا۔ وہ وہیں کھڑا تھا جب اماں اپنے کمرے

کے اہل گھر اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر چونک گئی

”ہو گئی تمہاری صبح۔ یہ تو بتاؤ تم رات کو کب
سوتے تھے دیے ابھی تک یہ حق برقرار ہے یا نہ نکلنے
کے بعد ہم تمہاری زندگی سے بالکل نکل گئے ہیں۔“

اس نے اماں کے غصے کو پہلی بار غور سے دیکھا ہمیشہ
گھر سے بھاگا پھرتا اسے لگتا تھا گھر میں کس کو کوئی
بچنے والا نہیں ہے اسے لگتا تھا جتنا وہ سچا ہے جتنا علم

رکتا ہے اور کسی کے پاس نہیں ہے الگ ہو کر سوچنے
کی عادت بری نہیں ہے مگر الگ سوچتے سوچتے سب
سے الگ اور دکھرا سمجھ لینا خود کو یہ اچھا غلط تھی اور

وہ اسی صبح اور غلط کے بیچ بٹ کر تنہا لی کٹ رہا تھا۔ آج
اسے اماں بالکل نئی نئی اور بالکل الگ الگ رہی تھیں وہ
قدم قدم ان کے قریب آگیا تھا پھر کندھوں پر دباؤ

ڈال کر بولا۔
”کیا ہے اماں کیا میں ابھی تک آپ کا اچھا بچہ نہیں
بن سکا۔“ اماں نے چونک کر اسے دیکھا کچھ میں اور

چہرہ میں کوئی احساس تھا ضرور جو خود بخود گونج رہا تھا۔
اسے لگا وہ ماضی میں چلا گیا تھا اماں نے اس کے چہرے
کی سنجیدگی سے گہرا کر اس کو توجہ سے دیکھا پھر یکدم

اس کے اپنے کندھوں پر رکھے ہاتھوں پر اپنا دامن ہاتھ
رکھ کر چونک کر بولیں۔
”کیا ہوا ہے؟ مجھے بخار ہو رہا ہے کیا۔“ اس نے

چونک کر دیکھا اس طرح تاشفین بھابھی کو بھی اس نے
مخاطب کیا تھا لیکن انہوں نے بات نوٹ نہیں کی
تھی۔ واقعی یہ سچ ہے ایک ماں ہی اولاد کی سانس سے

اس کے اندر کا موسم جان لیتی ہے۔
”جتنا نا بخار ہو رہا ہے مجھے۔“ وہ پریشان ہو گئی
تھیں، سو عجیل احمد انہیں صحن میں رکھے تخت پر

لے جا کر بٹھاتے ہوئے آستلی بولا۔
”کچھ ایسا خاص نہیں ہے۔ کل دو الے لی تھی مگر
بخار جانے میں کچھ وقت تو لگتا ہے نا۔“

اماں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا غور سے دیکھنے
کی تو تمنا کب سے تھی وہ ہی اور بچوں کی طرح ان

سے فری نہیں ہونا تھا آج اسے اپنے دوست سے
جانے کا یقین ہونے لگا تھا۔
”تیری آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں اور چہرہ

بھی کتنا اترا ہوا ہے۔“
اسے ہنسی آنے لگی مگر وہ اماں کے ہاتھوں کو تھام کر
مہم آواز میں بولا۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے اماں بس تھوڑا سا بلڈ
پریشر رہنے لگا ہے اس لیے کب اچانک شوٹ کر جائے
پتا نہیں چلتا شاید اس لیے ہی آنکھیں سرخ ہو رہی

ہوں گی۔“ اماں نے پیار سے رخسار چھوا تو اسے لگا تمام
ترو کھرے پن کے باوجود اس کے اندر محبت آج بھی
عام سی حالت میں موجود ہے وہی چاہے جانے کی تمنا

وہی توجہ کی ہو کہ۔ اس نے اب اپنا سر اماں کی گود میں
رکھ دیا تھا پھر آستلی سے بولا تھا۔
”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کیا واقعی

میں آپ کا اچھا بیٹا نہیں بن سکا ہوں!“
”پائل ہوا ہے میرا بیٹا برا کیسے ہو سکتا ہے مجھے تو لگتا
ہے میرا یہ والا بیٹا سب سے اچھا والا بیٹا ہے بس کچھ

جھٹلا ہے نہ اپنی سمجھ ہے مجھے نہ اپنے دل کی اور اپنے
آپ سے بھاگے پھرتا ہے اتنا سا ہے پر اندر سے لگتا
ہے بہت بڑا ہو گیا ہے۔“

”اماں میں آپ کو اب بھی اتنا سہا ہی لگتا ہوں۔۔۔“
اس نے سر اٹھا کر سوال کیا۔ اماں کے چہرے پر وہی
مسکراہٹ بکھر گئی انہوں نے پہلے کی طرح اس کے

بالوں میں انگلیاں پھیرنا شروع کر دیں۔ اماں کے کتے
جملے بدلے تھے نہ روئیہ بس وہ خود اپنی زندگی سے بھاگا پھر
رہا تھا۔

”اپنا خیال رکھا کر چھوڑو کھرا میں سب سے کھل مل
کر رہا کر تیری بات ہم لوگ بھلے سمجھنے کے قابل نہ
سی رہا تیں ہی زندگی نہیں زندگی تو اپنوں سے ہوتی

ہے مجھے پتا ہے مجھے ابھی تک وہ کتابوں والا قصہ نہیں
بھولا ہو گا وہ کتابیں جو تیرے ابا نے روئی میں بیچی
تھیں، پر عجیب وہ سب تو ایک خوف زدہ باپ کی

کوشش تھی اسیں لگتا تھا کہیں تو بگڑ نہ جائے بس اس

میرا سکہ تھوڑی دیکھا جاتا ہو گا۔

وہ چھٹی کر کے گھر میں تھا سو اس سارے منظر میں کھڑا تھا اور لال منہ کھولے صبیحہ کو دیکھ رہی تھیں آخر کچھ ساعت بعد انہوں نے کہا تھا۔

”صبیحہ بچے یہ کس لمحے میں بات کرنے لگی ہو بیوی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔“ کچھ توقف کیا پھر حیرت سے بولیں۔

”اگر تمہارا رویہ ایسا ہی ہے ان سے تو مجھے حیرت ہوتی ہے انہوں نے میری دوسری بیٹی کو مانگنے کی ہمت کیسے کر لی ان کا دل تو تم سے ہی اوب گیا ہو گا۔“

”میں جانتی ہوں یہ سب انہوں نے کیوں کیا ہے۔“ صبیحہ فون فون کرنے لگیں ماں نے رساں سے پوچھا۔

”کیوں کیا ہے بتاؤ بھی تو اب۔۔۔“

”سیدھی سی بات ہے ماں تاشی کی یہاں شادی کر کے وہ جس طرح میری مرضی کی غلام ہو گئی تھیں اس کے لیے انہوں نے یہ حل نکالا کہ شازہ کو لے کر وہ اپنا

پلا بھاری رکھنا چاہتی ہیں وہ مجھے دباننا چاہتی ہیں۔“ اب اسے بولنا پڑا ”وگرنہ پر خلوص بننے کا ذرا مزہ کرنے کے لیے جو باتیں اس نے عائشہ خالہ سے بگھاری تھیں وہ کھل کر سامنے آجائیں شازہ کچی لکڑی کی طرح بھی کم عمر بچوں کو آسانی سے اپنے رنگ و جنک

میں ڈھالا جاسکتا ہے عائشہ خالہ بے بس تھیں مگر عقل مند تھیں اور اس کا خیال تھا صبیحہ بچو کا زور توڑنے کے لیے یہ ضروری تھا سو کر گزرتا تھا۔ اس نے لگا

لکھا ہمارا تھا پھر بد رازہ بولا تھا۔

”ماں بچو شروع سے ان لوگوں میں سے ہیں جو ویک پوائنٹ اور تاریک پسلو دیکھنے ہی کو دیکھنا سمجھتی ہیں ماں بچو یہ بھی تو سوچ سکتی ہیں کہ شازہ ان کی بس

ان کے گھر میں بیاہ کر آئے گی تو ان کے دکھ سکھ میں ان کا ساتھ دینے میں پس کرے گی بھی کبھی دل کی بات

کرنے کے لیے کسی اپنے کی طلب ہوگی تو شازہ انہیں دستیاب ہوگی۔“

صبیحہ بچو مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگیں

لیے انہوں نے اور میں نے تجھ پر سختی رکھی مگر مٹا ہم

میں سے کوئی تجھ سے نفرت نہیں کرتا۔ تیرے لبا بھی تک سونے سے پہلے آخری سوال ہی کرتے ہیں میرا

عجبی آگیا گھر۔ اور میں پیش کرتی ہوں نہیں اسے بہت کام ہے وہ بھی نہیں آیا اور تیرے لبا تیرے آنے کی امید لیے سو جاتے ہیں طارق کا جب فون آتا ہے

تیرا پوچھتا ہے طارق جب فور سے لوٹا ہے سب سے پہلے تیرا ذکر کرتا ہے کہتا ہے اپنا عجبی تو برا مشور ہو گیا ہے۔ انکو کھرا لٹا سچا لکھتا ہے کہ مجھے تو غرہ ہوتا ہے

اپنے عجبی پر ہمارے گھر سے کوئی تو ماں باپ کے لیے اجر گمارا ہے صدقہ چارہ ہوتی ہے ایسی اولاد لیاں خوش قسمت ہو آپ وہ ایسا کہتا ہے میرا دل تو خوشی سے بھر جاتا ہے مجھے لگتا ہے میرے دل میں تیری دور

رہنے کی خوشی تیری محبت اور بیہوشی ہے کتنی بار دل چاہا مجھے اور بچوں کی طرح پیار کروں۔ بھی تو بھی ان کی طرح میری گود میں سر رکھ کے لاڈ کرے مگر موقع ہی

نہیں آتا تو۔۔۔“

ایسے آپ ہی آپ شرمندگی ہونے لگی اندر کی جو تھالی تھی وہ یکدم سرخوشی سے سوا ہو گئی تھی۔ سو

یکدم اسے ایسے میں ناشقین یاد آنے لگیں۔ اس نے موقع دیکھ کر ایک نئے طریقے سے بات چیت کی تھی ماں کو اس کے سونے پر حیرت نے آلیا تھا۔

”تو گھر میں تو ہوتا نہیں ہے پھر بھی خبر سب رکھتا ہے۔“

پہلے یہ سچ ہے شازہ کے لیے عائشہ نے رشتہ مانگا ہے۔ مگر میں نے ابھی کچھ ہائی نہیں بھری ویسے بھی

شارق کے بعد پہلے تیری کروں گی پھر کہیں شازہ کی پاری آئے گی۔“

اس نے نرمی سے ماں کو دیکھا پھر آہستگی سے بولا۔

”میری چھوڑیں ماں جب مقدار زور کرے گا میری بھی ہو جائے گی اب شازہ کی بات کر لیں۔“

صبیحہ کو اس سلسلے میں خبر ہوئی تو خوب وہ ماں سے آگے بھگڑیں۔

”عدہ ہوئی عائشہ خالہ نے کانوں کان خبر نہیں لگنے دی میں جانتی ہوں بہت چالاک عورت ہیں ان سے

کے آتے یہ رسم طے کر دی گئی رسم کے دوسرے دن طارق بھائی نے سب کے گفت نکالنے شروع کر دیے۔

طارق بھائی نے کچھ تحفے خصوصی طور پر تاشفین کے لیے خریدے تھے میک اپ کٹ سونے کا سیٹ تین چار جوڑے۔ صبیحہ نے جانتے بوجھتے یکدم سیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

”اماں یہ اپنی شانزدہ کی شادی کے لیے رکھ دیں۔“ شانزدہ نے بجو کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا پھر نرمی سے بولی۔

”طارق بھائی یہ تاشی بھائی کے لیے لائے ہیں ان کی پسند پر ان کا ہی حق ہے میری قسمت میں جو ہو گا مجھے مل جائے گا۔“

وہ جتانے کو مسکرا کر تاشفین کی طرف دیکھنے لگا صبیحہ بجو کو پتلے لگ گئے۔ ہیٹ انہوں نے دوسروں کی محنت کا پھل کھلایا تھا دوسروں کے لفظوں سے دل رنج کیے تھے مگر آج وہ بالکل اکیلی کھڑی تھیں الگ سوچنے والے ہی نہیں صرف اپنے بارے میں سوچنے والے بھی اکیسے رہ جاتے ہیں مگر صبیحہ بجو آسانی سے ہار ماننے والی کہاں تھیں چھٹ سے اسی سوٹ پر ہاتھ رکھ دیا جو

ہاں کی آنکھوں میں معاملہ واضح ہوتا چلا گیا تھا اسے لٹی بھی اب وہ۔ کیم میں پھر سے واپس آیا تھا تاشفین نے یہ خیال سنا تو ٹیس ہو گئی تھیں اس نے بمشکل اسیں بھجایا پھر بھی نہیں مانیں تو غصے سے بولا۔

”اپنے عجبی پر بھروسہ نہیں ہے نہ سہی مگر اپنے نین بچوں پر تو بھروسہ کرو وہ آپ کے اس گھر میں ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔“ انظر بھائی اب اتنے بھی گئے گزرے نہیں کہ اپنی بیوی کے حق کی بات نہ کر سکیں۔ ”انہوں نے ٹھنڈا سانس لیا۔

پھر آہستگی سے بولیں۔ ”مجھے صرف امی کی فکر ہے صبیحہ نے انہیں جس طرح وق کر رکھا مجھے ڈر لگتا ہے اگر شانزدہ بھی صبیحہ کے ساتھ جالٹی تو میری ماں کی جگہ تو گھر میں کہیں نہیں رہے گی۔“

”تاشی بجو آپ بھی نا تاریک پہلو کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔“ وہ لمحے بھر کور کا پھر اپنا کارنامہ بتانے لگا تاشفین منہ کھولے اسے دیکھتی رہیں۔

”عجبی تم نے اتنا بڑا رسک لیا میرے لیے تم نے صبیحہ کا ساتھ نہیں دیا مگر کیا ضروری ہے شانزدہ امی کی خدمت گزار ہو کر رہے۔“

پس نے لمحے بھر کو توقف کیا پھر نرمی سے بولا۔

”زندگی میں کچھ نیا کرنے کے لیے سیدھی سی بات ہے تاشی بجو دمک تو لینا ہی پڑتا ہے امکان ہی میں زندگی ہے۔ امکان زندگی میں جمود نہیں آنے دیتا پھر صبیحہ کے مقابلے میں اس کی تربیت کا سارا وقت آپ کے ساتھ گزرا ہے سو بجو جو عمر پہنچے کی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے بننے بگڑنے سیکھنے کا سارا وقت اس کا آپ کے ساتھ بیتا ہے اس لیے آپ کا رویہ اس میں اتنا رنج بس گیا ہے وہ صبیحہ بجو کی طرح ری ایکٹ کرنا چاہے بھی تو اس کا اندر بے اطمینانی محسوس کرے گا اور اندر بن جائے والا رویہ بہت کم بدلاؤ لاتا ہے آپ فطرت کی طرح کا مار جن دے سکتی ہیں اسے پھر یہ تو مانتی ہیں امید پر دنیا قائم ہے۔“

تاشفین نے تشکر سے اسے دیکھا پھر طارق بھائی

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے

بہنوں کے لیے ایک اور ناول

اماوس کا چاند

بشری سعید

قیمت - - 150/- روپے

مکتبہ نے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔

چڑھتا ہے اور بہت کم لوگ یہ کلمہ سمجھتے ہیں میں خود
میں نے بھی تو کتنا وقت ضائع کیا ہے مجھ پر تو
انسانوں کا اور اپنے اللہ کا قرض بہت چڑھ گیا ہے
کوشش کرتا ہوں اتر جائے دیکھیے کب کامیابی ملتی
ہے۔

”تمہیں کامیابی پانے کے لیے زیادہ محنت کی
ضرورت نہیں پڑے گی تم مانو یا نہ مانو یہ غلط ہے
تمہیں اللہ نے تمہاری ضد کے باوجود تمہا نہیں کیا تھا
ہونے نہیں دیا ہر راستے میں تمہاری بات کہنے اور
سمجھنے والوں کا جم غفیر لگا کر رکھا بس تم مجھے دیر سے۔“
اس نے سرخوشی چھپا کر کہا۔

”آپ ٹھیک سمجھیں واقعی میں دیر سے سمجھا اس
کی محبت کو پتے میری ضد تھی میں یہ جانوں وہ مجھ سے
کتنی محبت کرتا ہے مگر آج اس کی محبت سے دامن بھرا
دیکھتا ہوں تو نظریں چرائی پڑتی ہیں کہ جو لیا“ اس نے
پوچھ لیا اب بتاؤ تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو حساب
دو تو اپنا حساب تو ادور — ہو گیا ہے مگر آج سے
کوشش کرنے کی تمنا ہے۔“

”بالکل! کوشش زندگی ہے جیسے امکان زندگی اور
کبھی کبھی سحر کی امید کرنا خود سحر سے عظیم تر ہو جاتا ہے
عجیبی۔“ تاشفین نے کندھا تھپتھپایا اور وہ وضو
کرنے کے خیال سے اپنے کمرے کی سمت بڑھتا چلا
گیا اور کوئی تھا جس کا ہاتھ لسا پتے ہاتھ پر محسوس ہوتا
تھا۔

خوابوں کی نگہبانی کرنا آسان نہیں۔
خواب دیکھنا بھی آسان نہیں۔
مگر مشکل راہ تو محبت کی سرشت میں شامل ہے۔
اور ہر مشکل میں اس کا ساتھ راستہ آسان کرنے
کے لیے کافی تھا۔

طارق بھائی نے اماں کو دکھانے کے لیے کھنوں میں لا
رکھا تھا اور جو صرف تاشفین کے لیے تھا۔
”اماں مجھے یہ رنگ اچھا پسند لگ رہا میں تو یہ پنک
سوٹ ہی لوں گی۔“ تاشفین نے طارق کی طرف
دیکھا۔ طارق نے اس کی طرف اور یکدم اماں نے کہا۔

”تختہ تو تختہ دینے والے کی مرضی کا ہوتا ہے صبیحہ
جو بھائی نے دیا ہے وہ رکھ لو یہی اچھی بات ہے۔“
صبیحہ بھوتن فن کرتی وہاں سے اٹھ گئیں اور اس
نے تھپا کر تاشفین کو دیکھ کر کہا۔
”آپ نے دیکھا میری ذہانت۔“ پھر فنس کے

بولے۔
”سارے مجھے نہیں سمجھ آتا تھا سوچنے والے لوگ
ہمیشہ پاگل خانے کیوں آباد کرتے ہیں دنیا میں کوئی پھول
کھلانے کا معجزہ ان سے سرزد کیوں نہیں ہوتا“ لیکن
اپنی زندگی کو دیکھتا ہوں تو سمجھ آتا ہے سوچنے سمجھنے
والے لوگ تھالی کی سزا خود بھوگتے ہیں وہ جو انسان
کے بارے میں جاننے کا علم سیکھتے ہیں وہی علم ان کو
انسان سے دور کر دیتا ہے۔ زمانے کے سینے میں ہم
دھڑکتے ہیں کاغذ ہم جیسے لوگوں کے اندر نیرٹھ پیدا کر
دیتا ہے زمانے کے سینے کی بجائے کسی ایک دل میں
دھڑک جانا آسان بھی ہے اور پُر لطف کیفیت بھی
سوچنے والے لوگ بہت کم خوش ہوتے ہیں یہ سچ ہے
مگر خوش رکھنے کا سبق تو یاد رکھا جاسکتا ہے۔

ہم لوگ بھلے حریف تنقید نہیں لیکن ہم ہی لوگوں
کے دم سے تو زمانہ ہے کوئی بھی نظریہ سوچ ہی سے تو
بروان چڑھتا ہے پھر کیا ہو؟ جو ہم لوگ سقراط نے یا
منصور ہوئے خوابوں کا راستہ ہمیشہ خار زار اور مشکل
سے ہو کر گزرتا ہے خواب دیکھنا آسان کام نہیں۔

ہر نیا خواب ایک نیا راستہ ہے اور کسی بھی نئے
راستے پر چلنے کے لیے انسان کو پہلے تھما چلتے رہنا پڑتا
ہے۔ چلتے چلتے قافلہ خود بخود بن چلا کرتا ہے۔ انسان
خود کو رد کر دے تب دوسروں کو سمجھنے کی پہلی سیڑھی